اعجازِ عشق

شمس العلماء لسان الحکمت محمد عبدالرحمٰن شاطر
مدراسی

اعجازِ عشق

مصنفہ محمد عبدالرحمن شاکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
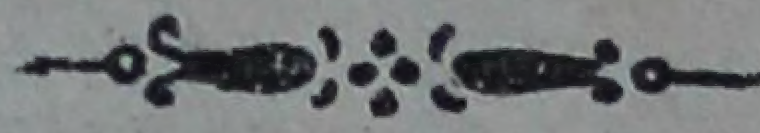
سونے والوں کو عدم سے کھینچکر لاتا ہے یار
طرفہ شوخی یہ ہے سر پہ ان کے رکھدیتا ہے بار

عشق کا شعلہ جب اٹھا راکھ ہو کر رہ گئے
کیا ہوا پردے اگر تھے بیچ میں ستر ہزار

ہم دبے جاتے تھے کچلے جاتے تھے اللہ رے بوجھ
عشق چلانے لگا بارِ امانت کو اتار

دلربا بھی کوئی شئی موجود ہے سن اے حکیم
ہے فقط آہن ربا کا حال تجھ پر آشکار

حرکتِ قسری ہے بیشک ذاتِ قاسر پر دلیل
گیند اچھالے ہیں یہاں دستِ قضا نے بیشمار

سن سکینگے لن ترانی بھی نہ ہرگز تیرے کان
دعوئ عقل اے حکیم اور خواہشِ دیدارِ یار

بے محل اٹھتا نہیں ہے ایک بھی تیرا قدم
کوئی ہے تجھ پر سوار اے ابلقِ لیل و نہار

ہے وہی ظاہر وہی باطن وہی سب پر محیط
انفس و آفاق سے ہیں اسکے آیات آشکار

اس سے بڑھ کر وسعتِ رحمت پہ کیا ہوگی دلیل
مجھ سا مایوس اور رحمت کا تری امیدوار

ہیں دلیل و مستدل محتاج اسکے اے حکیم
وہ خدا کیا جو ہو محتاجِ دلیل اے خام کار

کون ہیں آئے کہاں سے کس طرف جاتے ہیں ہم
کیجئے اس راز کو اے موج کیونکر آشکار

بحر و بر تیرا ہے بچ کر تجھ سے جائینگے کہاں
بطنِ ماہی میں رہینگے ہم کرینگے گر فرار

عشق کہئے نور کہئے یا اسے کہئے وجود
ذات کو تیری کریں کس لفظ سے تعبیر یار

شکوۂ ساقی ہے بیجا وہ تو ہے بحرِ کرم
ظرفِ استعداد تیرا تنگ ہے اے جرعہ خوار

کیا خطا پانی کی اے حنظل اگر تو تلخ ہے
کیا گنہ سورج کا اے شپّر جو تیرا دن ہے تار

نام عدوانِ حدود اللہ کا ہے معصیت
ایک شی بھی کب وجود علم سے محروم ہے
اس طرح اب عمر کٹتی ہے تری فرقت میں یار
بعد مدت کے ہوا یہ راز ہم پر آشکار
غم زدوں کو کیوں ستاتا ہے خدا کی تجھ پہ مار
نار دوزخ سے نہیں کم آتش فرقت بھی یار
یاد ہیں وہ دن بھی جب وہ مستیاں تھیں ہم کنار
ہے فقط آنکھوں میں دم تیرا ہی اب ہے انتظار
ہجر میں اے بے وفا دل تجھ کو رونا بھی ہے بار
ہائے کیوں مرتے ہی آنکھیں بند کر دیتے ہیں یار
جوش میں اے خون آ اے چشم تو رو زار زار
ناخوشی سے یا خوشی سے دن گزر جاتے ہیں یار
وہ بھی دن تھے ہم منہاتے تھے کسی کو بار بار
لاش پر زندوں کا قبضہ ہے مرا کیا اختیار
تو نے ڈھانکے ہیں ہمارے عیب اے خاک مزار
جان حاضر ہے کرینگے تیرے قدموں پر نثار
کیوں جئیں مر مر کے دل ہی پر نہ ہو جب اختیار
چارہ اپنے درد کا ہم آپ کر گزرینگے یار
خندۂ گل گریۂ بلبل بھی ہے ناپایدار

عقل کی زنجیر حصنِ عافیت کا ہے حصار
نورِ اللہ و نبیؐ ہر ذرے سے ہے آشکار
مجھ سے شرمندہ اجل ہیں زندگی سے شرمسار
مرگِ لیلیٰ میں تھی مخفی حکمتِ پروردگار
زہر لگتی ہیں تری غمخواریاں اے غمگسار
یہ جلاتی جاتی ہے ہم کو جلا کر بار بار
عشق پر بھی تھی بہار اور حسن پر بھی تھی بہار
نزع کی مشکل کو آساں کر دے اے تصویر یار
وصل میں ہر خون کا قطرہ تھا دلبر پر نثار
اک تغافل کیش کا ہم کو ابھی ہے انتظار
اے زباں فریاد کر اے دل تڑپ بے اختیار
کرتے ہم شکوہ ترا گر عمر ہوتی پائدار
یہ بھی دن ہیں لوٹتے ہیں خاک پر دیوانہ وار
دفن کر دیں یا جلا دیں یا ڈبو دیں اس کو یار
تا قیامت تیرے احساں کے رہینگے زیر بار
جلد اے پیکِ قضا لانا پیام وصل یار
یوں بھی تا صبح ایک دن ہونگے اجل کا ہم شکار
جب نہیں امید تجھ سے موت کا کیا اعتبار
عیش و غم دونوں پہ ہے گاہے خزاں گاہے بہار

ابن ملجم کی طرح ہے عشق نا فرجام خوار
خاک کا پتلا ہے کیونکر نہ دائم بے قرار
کون ایسا ہے کرے جو علم حق کا انحصار
عیش و غم خوف و رجا کس پر ہو ہم کو اعتبار
وہ بھی تیری طب پہ ہے اے ڈاکٹر جی سے نثار
شعلہ ہائے عشق سے ہے دل کسی کا برق زار
داور محشر نہ کر خواب عدم سے ہوشیار
ہم کناری کیلئے کیوں وا ہے آغوش کنار
تجھ سے بڑھکر ہم کو زاہد حشر کا ہے انتظار
دل ستانی گر ہو دلدادگی کر اختیار
وہ بھی دن آئے کروں میں ایک آہ شعلہ بار
جو تناسخ کا ہے موجد ہو خدا کی اس پہ مار
ہے چراغ طور روشن زیر فانوس غبار
ذرے ذرے سے عیاں ہے آفتاب نور بار
ہیں لطیفے اس کے اے رازی ہیں پر آشکار
رات دن رہتا ہے ہم کو حشر ہی کا انتظار
سب تری رحمت کے ہیں بے معرفت امیدوار
دل سے بڑھکر چاہئیے کیا یادگار عشق یار
انتہائے عیش و غم ہے ہم کو شاطر جیت ہار

عقل رہ گم کردہ بھی مانند بدھ ہے نامدار
ہے ضعیف الخلقت اور پھر کس قدر تعجیل کار
خضر کے بھی ہونگے اے موسیٰ کئی آموزگار
کونسی حالت دل ناداں! ہے تیری پایدار
پاس مسلم کے فقط لے دیکھے ہو اک جان زار
دیکھ ظالم! آکے اپنے باغ کی شب کو بہار
ہم کو اب تک نشۂ دنیا کا باقی ہے خمار
میری کشتی ہو چکی باد مخالف کا شکار
کان میں کہتا ہے کچھ صدق دل امیدوار
ہے اسی داد و ستد پر زندگانی کا مدار
آسماں کی راکھ سے پیدا ہوں سورج بے شمار
ہم کو وہ زنداں میں لایا چاہتا ہے بار بار
دامن شب میں نہاں ہے روئے پر نور نہار
قطرے قطرے میں نہاں ہے بحر ناپیدا کنار
مصحف دل کا مفسر تو نہیں ہے زینہار
ہائے چشم و گوش ہیں محروم حسن و لحن یار
جس طرح مادر سے ہو مانوس طفل شیر خوار
اے مسیحی عشق کا اظہار اور لوح مزار!
یہ مزہ اسکندر و دارا نے پایا ایک بار

چھوڑ دے یا پر کتر دے دیکھ میرا اضطرار
ہیں وہی بے مہریاں جن سے تیری آشکار
خواب ہی میں ملتی ہے جب دولتِ دیدارِ یار
ہم ہیں آہ اسباب میں جکڑے ہوئے اے روزگار
کوہ و صحرا سے غرض کیا اے جنونِ ہرزہ کار
وقتِ گریہ ضبط وقتِ ضبط رونا زار زار

ق

کوندتی تھی جو تصور میں وہی بجلی گری
آخرش اُس نے گلا کاٹا دلِ مرحوم کا
خرمنِ دل کو اُسی شعلے نے خاکستر کیا
جس کی ہیبت سے بدن کا خشک ہوتا تھا لہو
جو پھرا کرتا تھا گردِ سر وہ کالا ڈس گیا
جس کا ڈر تھا دی اُسی شہ نے ہمیں آخر کو مات
تیرِ زہر آلود سینے میں ترازو ہو گیا
لرزہ سارے جسم میں پڑتا تھا جس کے ہول سے
صور مجھ پر گر گیا گاؤ زمیں بھی جل گئی
کہتے تھے نوری الٰہی ایسی دنیا اب بنا
عرشِ اعظم سے صدا دی میری روحِ پاک نے
آیتِ الحمد للہ کی خبر تم کو نہیں
ان کی قبر پر آج حیوانوں کی جولانگاہ ہیں

ق

باغ میں صیاد وہ دھومیں مچاتی ہے بہار
اے فلک کیا آنکھ اٹھا کر تجھ کو دیکھیں بار بار
کیوں نہ ہو یا رب ہمیں خوابِ عدم کا انتظار
زندگی تو زندگی مرنے پہ کب ہے اختیار
پھوڑنا ہو سر تو پتھر ہر جگہ ہیں بے شمار
ناک میں دم آگیا ہے تجھ سے چشمِ اشکبار
جس کا کھٹکا تھا وہی برچھی ہوئی سینے کے پار
میری آنکھوں میں چمکتی تھی جو تیغِ آبدار
جس کا آتے ہی تصور جسم کو چڑھتا تھا بخار
ہو گیا ظالم وہی نشتر رگِ گردن کے پار
منہ سے کف آتا تھا اور بے ہوشیاں تھیں غم گسار
خوف تھا جس کا وہی نقشہ پڑا انجامِ کار
ہر بنِ مو سے اچھلتا تھا لہو فوارہ وار
ہو چکی وہ میری قسمت کی قیامت آشکار
ساتھ میرے اڑ گئے سارے کرے بن کر شرار
عشقِ فانی کی نحوست کبھی جس پر سوار
کس طرح اطفال پر ہو حکمتِ حق آشکار
ہیں ہمیں تسبیحِ حیث کُنت کے بھی رازدار
جن کے درباروں میں انساں کو تھی مشکل سے بار

دیکھتے ہی جن کو آنکھوں سے نکل پڑتا تھا دل
جن کے آگے کوئی کر سکتا نہیں تھا عرضِ حال

رعشہ پڑتا تھا غضب سے جن کے کل اعصاب میں
سامنے جن کے پگھل جاتے تھے انساں مثلِ برف

اب سہے جاتے ہیں صدمے دھوپ اور برسات کے
آہ وہ خود ہو گئے ہیں خاک۔ مل کر خاک میں

جس کا اب جی چاہے ٹھکرائے کرے پامال نہیں
مرقدوں سے فاتحہ خوانوں کو آتی ہے صدا

غیب سے آواز آئی سب کے سب مجبور ہیں
آچکی تھی موت جن کی ان کو جانا ہی پڑا

ق
آئے دن ہوتی ہے چشم و دل میں جنگِ زرگری
میں بھی کوئی چیز ہوں کہتا ہوا آیا دماغ

عشق کہتا ہے کہ دل آنکھوں سے ٹپکے مثلِ اشک
دل کی ہے فریاد آنکھوں نے لگائی مجھ کو آگ

ہم نے پوچھا داورِ محشر سے کس کی ہے خطا
ہم ہنسے اس نے کہا تو محرمِ اسرار ہے

ق
حُسن فانی کی پرستش تھی دلِ دیوانہ تھا
زخم دل سے آ رہا ہے آج بھی پھیکا لہو

ج
ربِّ رحماں اپنے سارے مخلصوں کے واسطے

جن کی ہیبت سے کلیجا کانپتا تھا بیدِ دار
کچھ کہے جاتا تھا گاہے گریۂ بے اختیار

اور تبسم جن کا دل کے حق میں تھا باغ و بہار
چینِ پیشانی تھی جن کی مثلِ خنجر آبدار

جو نہیں تھے آشنائے گرم و سردِ روزگار
پائے نازک خاک پہ رکھنا تھا جن کو ناگوار

سر رگڑنا جن کے قدموں پر تھا وجہِ افتخار
بے وفائی ہم نے کی الفت تمہارا ہے شعار

مستحقِ مدح و ذم کوئی نہیں ہے زینہار
تم یہاں آتے ہو یعنے عشق ہے تم پر سوار

کائناتِ عشق کا اِس پر ہے یا اُس پر مدار
ہنس کے دل بولا سگِ در کا ہے دربانی شعار

حسن کہتا ہے کہ بے دل کو کریگا کون پیار
آنکھیں شاکی ہیں رلاتا ہے وہ ہم کو بار بار

اس نے پوچھا تجھ کو یا مجھ کو ہے ان پہ اختیار
دفترِ عصیانِ دل دھوتی ہیں آنکھیں بار بار

کیا خبر تھی یک بیک ہوگی قیامت آشکار
رحم کر یا ربِ ج کفن ہوتے نہ پائے داغ دار

بخش دے جملہ گناہِ شاطرِ عصیاں شعار

بت کو پوجا پہلے پھر کی بیعتِ شیخ حرم — عشق کے اعجاز سے اب میں ہوں فخرِ روزگار

کر دیا اکسیر تو نے خاک کو روحی فداک — اے مرے ہادی مرے آقا مرے آموزگار

ذاتِ حق جل تھی کنزِ مخفی مظہرِ اوّل ہے عشق — جس کے صدقے سے ہوئے اعیان سارے آشکار

اوّل و آخر ہے عشق اور ظاہر و باطن ہے عشق — عبد و رب العشق ہیں تیرے ہی زینے پر سوار

حضرتِ باطن ہے عشق اور حضرت ظاہر ہے عشق — اِس کا دلبر ہے مدار اُس کا نظر پر ہے مدار

کہ ربودہ کیوں نہ ہم سمجھیں تجھے اے کہربا — فرق حب معشوق و عاشق میں نہیں ہے زینہار

گرمیٔ ہنگامۂ دنیا و دیں ہے تجھ سے عشق — سب ترے ذرّے ہیں تو ہے آفتابِ نور بار

جذبِ ثقلی ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے ترا — دفترِ عالم کا شیرازہ ہے تجھ سے استوار

اس میں کیا شک تجھ سے قائم ہے نظامِ دوجہاں — گھومتے ہیں گرد تیرے سب کے سب سیارہ وار

راہ رَو تیرے گزر جاتے ہیں بے خوف و خطر — چاہے دریا راہ میں حائل ہو چاہے کوہسار

جس کی کشتی کا بنا دے ناخدا تجھ کو خدا — بحرِ طوفاں خیزِ ہستی سے ہو بیڑا اس کا پار

ایک ہی شی ہے حصولِ نفع اور دفعِ ضرر — اصل ہے تو سارے افعالِ ارادی برگ و بار

زور و زر علم و عمل ایمان و نیکی حسن و عقل — سب کے سر پر تو نے ہی رکھا ہے تاجِ افتخار

تو اگر لنگر نہ ہوتا کشتیٔ دل کے لئے — کس طرح جذبات کے دریا میں رہتی برقرار

عین بھی ہیں غیر بھی ہیں جتنے ہیں جذبات دل — بے ہمہ و باہمہ ہے تو بھی مثلِ کردگار

ہر جگہ اور ہر گھڑی تیری نرالی شان ہے — میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تجھے اے سحرکار

نارِ نمرود و پدر ساطور اور کمسن پسر — چشم سر سے دیکھ نفسِ مطمئنہ کی بہار

لامکاں بھی ایک زینہ ہے کسی کے بام کا — دل نگینِ لامکاں ہے اور نگینِ دل ہے یار

ہم خدائی کرتے ہیں تیری بدولت اے خیال — ایک کن سے ہوتے ہیں عالم ہزاروں آشکار

کر دیا ہے دو جہاں کو ہمتِ عالی نے رد
وہ الگ عالم ہے رہتے ہیں جہاں عشاقِ زار

ہائے کیسی تجھ سے نادانی ہوی اے ہوشیار
بن کے دیوانہ ارے خلوت میں کیوں پایا نہ بار

مکہ جانِ ایشیا ہے ایشیا ایمانِ ارض
ارض ہی پر ہے ظہورِ حسن و عشق و علمِ یار

سنگِ اسود کیا سویدائے دلِ ناسوت ہے
اس سے لاہوتی تجلی دم بدم ہے آشکار

اپنے رب کو لیکے ساتھ آیا خلیفہ ارض پر
سارے سیاروں کو تھا جس کا ازل سے انتظار

جو نہیں ہے اُس کا گرویدہ وہ بے ایمان ہے
یاس و خوف و غم سے وہ ایمن نہیں ہے زینہار

بن گیا میخانہ دہر اور کھل گئے ہستی کے راز
لٹ رہی ہے مے مگر دہری ہے اب تک ہوشیار

ہو چکے بدمست زایل ہو چکی ان کی خودی
موج زن ہے دل میں اب منصوریوں کے شوقِ دار

عاشقِ گستاخ کہتا ہے تو کہنے دے اسے
ایک سیرِ خاص کا تیری مجھی پر ہے مدار

ملتے ہیں ڈانڈے مکان و لامکاں کے گاہ گاہ
ہوتی ہے جب روحِ انساں روحِ مطلق کا شکار

آہنِ مجذوب بن جاتا ہے خود آہن ربا
عاشقِ واصل سے ہے سب شانِ معشوق آشکار

حسن عاشق عشق کا ہے عشق عاشق حسن کا
اس کا اس پر ہے مدار اور اس کا اس پر ہے مدار

عشق ہے حسن آفریں یا حسن ہے عشق آفریں
آئنے کو بھی خبر اس کی نہیں ہے زینہار

ہیں خطِ توام کے صفحے دو مگر مضمون ایک
عبد و رب گر جمع ہوں ہو جائے وحدت آشکار

معنیٔ تنزیہ عشق اور صورتِ تشبیہ حسن
ان کے مظہر تو ہیں فانی ان کے مصدر برقرار

بے خودی نے کر دیا اک آن میں کیسا عمل
اب وہی دار المحن لاہوت کا ہے جلوہ زار

یا تو اب تک خواب میں تھے یا ہیں اب ہم خواب میں
اللہ اللہ کچھ عجب عالم ہے بعد وصلِ یار

دیکھتے سنتے ہیں بے تائیدِ چشم و گوش ہم
کیا صفاتِ حق نہیں ہوتے بشر سے آشکار

لحظۂ نفسی نہاں ہے لحظۂ شمسی عیاں
لحظۂ نفسی ہے ایک اس کے مظاہر بے شمار

چشمِ سر کو ہو مبارک خلوتِ وحدت کی سیر
چشمِ سر ہے جلوتِ کثرت کی گر آئینہ دار

رویت و حق الیقین کا ہر دلِ خود رفتہ ہے
ظنِ غالب حدِّ ادراکِ دماغِ ہوشیار

دل ہے ہر ذرے میں دل ہائے عشق یعنی برقِ طور
چشمِ موسیٰ لاکے دیکھے کوئی عالم کی بہار

حسنِ عالم آشنا کی خود نمائی دیکھئے
بے سنے بے دیکھے کو رو کر بھی ہیں شیدائے یار

اے سکندر آئینہ گر ایسا دیکھا ہے کہیں
سارے آئینوں میں دیکھی ایک صورت کی بہار

سامنے اک آئینہ رکھ پیچھے اک آئینہ رکھ
وحدت و کثرت کا ہو گا راز تجھ پر آشکار

جو ترا عاشق نہیں زندہ نہیں مردہ نہیں
کشتیِ جسم میں خوفِ دار سے ہے بے قرار

یاد رکھ دنیائے فانی عیشِ باقی کی قسم
خود کشی کر لے جو دہری پر نہو غفلت سوار

تیرے عاشق کیوں بقائے روح کے قائل نہوں
ہوتے وہ فانی تو ہوتا عشق بھی ناپائیدار

ہم کو کب تک تم دئے جاؤ گے دھوکا اے حواس
اک نہ اک دن موت کر دیگی حقیقت آشکار

مادی و صوفی و ملا و لا ادری و رند
حسن و یکتائی کے تیرے سب کے سب قائل ہیں یار

یہ تڑپ گر دور ہو سیماب سیمِ خام ہے
دل ہے خود معشوق زائل ہو گیا گر اضطرار

تیرے ظلمت خانے کو کیا جانیں ہم اے مادی
اپنی دنیا سر بسر انوار کا ہے جلوہ زار

قبلۂ دل عشق ہے اور کعبۂ جان عشق ہے
ہم اسی کو سجدہ کرتے ہیں نہاں و آشکار

انجمن میں ہم ہیں لیکن انجمن دل میں نہیں
زیبِ خلوت خانۂ دل ہے فقط تصویرِ یار

حسنِ ظاہر پر نظر ہے تیری اے ظاہر پرست
تو ہے دلدادہ بتوں کا ہم ہیں آزر پر نثار

آئینہ صورت میں واں یاں صورت آئینے میں محو
فرق ہے غیب و شہادت میں یہی اے ہوشیار

زور تیرا کیا کہیں اے نشۂ جامِ الست
کاہ سے کوہِ گراں کا تو نے اٹھوایا ہے بار

مثلِ مرغِ رشتہ بر پا ہم ہیں پابندِ حواس
خواب نے اس رمز کو ہم پر کیا ہے آشکار

ہے فنا انجامِ راہِ عشق اے جذب و سلوک
عاشقِ معشوق کش معشوقِ عاشق کش ہے یار

گر نہ سن لیتے صدا ہم خود تری روزِ الست
انگلیوں پر عقلِ ناقص کی نہ آتا اعتبار

دمبدم ہم کو حیاتِ تازہ ملتی ہے یہاں
ہم بھی مبدا سے ہیں غافل مثلِ سیلِ کوہسار

جب خدا ہم ہو نہیں سکتے تو بندہ ہی نہیں
شیوۂ تسلیم مجبوری سے کرلیں اختیار

لذتِ تسلیم اے فرعون گر تو جانتا
پھر خدائی کی تمنا بھی نہ پاتی دل میں بار

دونوں عالم میں ہے حسن و عشق ہی کا غلغلہ
عقل کہتے ہیں جسے دونوں کی ہے خدمت گزار

ق

آئے دن کرتی ہے وہ تسخیرِ فطرت کا عمل
اس کے ذمے ہے عروسِ زندگانی کا سنگار

آدمی کے ساتھ آئے ابتلا و درد و غم
آدمی انساں بنا جب عشق پر آئی بہار

خونِ ناب قلب سے سینچا گیا گلزارِ عشق
نالہ و آہ و بکا کا شور ہے یزداں شکار

یاس کی تلخی شرابِ تند کی تلخی بنی
عاشقوں کے منہ پہ خونِ آرزو ہے غازہ کار

غم بظاہر شر نظر آتا ہے باطن میں ہے خیر
حکمتِ حق رکھ چکی ہے خیر کا شر پر مدار

خیر شر کی گود میں پلتا ہے موسیٰ کی طرح
آمدِ انساں کا تھا غم کو ازل سے انتظار

جب فرشتوں نے کہا سفاک و مفسد ہے بشر
حق نے فرمایا کہ شر ہے خیر کا آئینہ دار

غم لگاتا ہے دلِ انساں کو پر جبرئیل کے
غم سے ہو جاتے ہیں فطرت کے حقائق آشکار

کچھ نہیں امراضِ قلبی کی دوا غم کے سوا
حاملِ بارِ امانت کا وہی ہے رازدار

کربلا والوں سے پوچھ اس کا مزہ اس کی جزا
گوہرِ عابدؓ پہ کر بحرین کے گوہر نثار

مثلِ شیطاں رشک سے جل بھی نہیں سکتے ملک
گریۂ آدم پہ رشک آتا ہے ان کو بار بار

ادعائے برتری ہے گوش کو بھی مثلِ چشم
کچھ حکیم اس کے وکیل اور کچھ ہیں اس کے جنبہ دار

ہے کتاب اللہ میں اول سمیع آخر بصیر
گوش کی تائید میں ہے بوعلیٔ نامدار

اس کے حامی ہیں اذان و نعرۂ وقتِ جنگ — ماتمِ شبیرؑ کا محشر ہے اس سے برقرار
گوش کی تائید میں ہیں وحی و موسیقی و شعر — گوش کی تفضیل میں ہے لذّتِ پیغامِ یار
گفتگو بچوں کی خلوت کی صدائیں اس کے دوست — شورِ رعد و قلقلِ مینا ہیں اس کے رشتہ دار
وہ سنا دیتا ہے مشتاقوں کو صوتِ سرمدی — مانتے ہیں اس کو سِرِّ وحی کا سب رازدار
گو دلیلیں ہیں بہت سی گوش کی تائید میں — اس کو لیکر کیا کرینگے وہ نہیں ہے اشک بار
سن نہیں سکتا وہ ہرگز چشم و ابرو کا کلام — اس کے قابل لا نہیں سکتا وہ گوشِ مستعار
گرم آنسو پاک کر دیتے ہیں دل کے زنگ کو — سرد آہیں جاں فزا ہیں صورتِ بادِ بہار
حدتِ سوزِ دروں کے حق میں ہے وجہِ سکون — آبِ کوثر کا ہے ہم سر گریۂ بے اختیار
آنسوؤں سے ہوتی ہے نورِ بصر کی تقویت — یہ ہے قول اک ڈاکٹر کا جو ہے مشہورِ دیار

ق
اک نہ اک دن موت آجائیگی اس میں شک نہیں — علمِ مستقبل کا مبرے ہے اسی پر انحصار
موت سے واقف نہیں ہیں جانور بے فکر ہیں — مادّی مولا نہیں رکھتا الم کا ہے شکار
ہیں فنا سے بے خبر حیوان و اشجار و حجر — ان کی ہستی کا نہیں دونوں جہاں میں اعتبار
جو فنا کو مانتا ہے اس کو ملتی ہے بقا — ہو اگر اس کو یقینِ ہستیٔ پروردگار
جس کو دونوں پر ہو ایماں کیوں نہ ہو تسلیم خو — شیوۂ تسلیم کیا ہے ترکِ خواہش کی بہار

ق
اولیا۔ شاعر۔ ریاضی داں ہیں نائب وحی کے — تا قیامت وہ رہینگے اس کرے پر برقرار
خاصکر ذکرِ ریاضی داں ہمیں کرنا پڑا — ساری دنیا مانتی ہے اگلے دونوں کا وقار
ہے ریاضی بالیقیں فطرت کا زندہ معجزہ — ماننا پڑتا ہے لا ادری کو بھی بے اختیار

ق
میں گروں دریا میں اسپنسر کہ تجھ کو پھینک دوں — وزن کم کرنا ہے کشتی ہو چکی سوراخ دار
خودکشی بھی جرم ہے قتلِ عمد بھی جرم ہے — فلسفہ تیرا بھی گم صم ہے یہاں آ ہوشیار

عشق ان کو دینِ فطرت کا بتا دیتا اصول
ایک کشتی پر اگر نل اور دمن ہوتے سوار

حبِ نفس و حبِ خلق اک دائرے کے ہیں دو قوس
جن کے مرکز پر ہے اخلاقی توازن کا مدار

کون کر سکتا ہے استدلالِ اقلیدس کو رد
لیکن آتا ہے کسے اشکالِ اقلیدس پہ پیار

سینس داں بھی ہوتے ہیں محظوظ گل ہیں دیکھ کر
گو حقیقت اس کی ہے اطفال پر بھی آشکار

آخری نقطے پہ مل جاتے ہیں جب عشق و یقیں
کربلا کا معجزہ بنتا ہے ان کی یادگار

ق

حدِ فاصل دھوپ اور سائے میں ہے جس طرح خط
ہے یونہیں مستقبل و ماضی میں حال اے ہوشیار

یادِ ایامِ گذشتہ ہے دریغ و انفعال
اور ہوسِ ایامِ مستقبل کی عنقا کا شکار

حال کہتے ہیں جسے وہ تو ہے بالکل بے ثبات
کس کشاکش میں ہیں ہم اے ہستیٔ ناپایدار

ق

جرم تیرے مٹ گئے سب کیوں نہیں کہتا سروش
اک دلِ درد آشنا بے کل ہے بہرِ اغتفار

آج سمجھے وہ خطا تھی جس کو کل جانا صواب
کل خطا سمجھے جسے ہے آج وجہِ افتخار

حشر میں کہہ دینگے ہم مجبور تھے مجبور تھے
کچھ نہ کچھ توجیہ ہے درکار بہرِ اعتذار

ق

رشک وہ ہے جس سے پہلا خون دنیا میں ہوا
تیغِ کیں کا بھائی نے ناحق کیا بھائی پہ وار

بوٹیاں اکسیر کی بر میں ہیں سونا بحر میں
چشمہ ہائے صحت افزا دشت میں ہیں بیشمار

ہے یہیں آبِ بقا بھی اور ہم محروم ہیں
کور بختیٔ عترتِ قابیل کی ہے آشکار

ق

شیشۂ عکاس کو جو شے نظر آتی نہیں
سینس کے نزدیک ہے اس کا توہم پردہ دار

آدمی مانا غلط بیں ہے مگر ہے حسن بیں
شیشۂ عکاس لاکھوں اس کی آنکھوں پر نثار

خانۂ ہفتم میں رقاصِ فلک کی تھی نشست
ہم کو کرنا ہی پڑا واعظ بتوں پر دل نثار

مشتری طالع پہ ناظر تھی یہ اس کا ہے اثر
وعظ سن کر ہوتے ہیں اپنی خطا پر شرمسار

ق

زندہ نو مولود بیٹی کو عرب کرتا ہے دفن
جلتی ہے ہندو کی عورت آگ میں مثلِ چنار

مانتی ہے گرچہ دونوں کو برا طبعِ سلیم
وہ قساوت کا شعار اور یہ جنونِ ہرزہ کار

ق
اے ستم کش حوصلہ تیرا پتنگے کو کہاں
جل کے رہ جاتا ہے وہ دم بھر میں مانندِ شرار

تیری جانِ ناتواں کے درپئے آزار ہیں
باغباں، فصلِ خزاں، صیاد، گلچیں، برق و خار

آشیاں گم کردہ ہیں سورج بھی ہے ڈوبا ہوا
آندھیاں زناٹے کی چلتی ہیں اڑتا ہے غبار

ہم ہیں مضطر گھر ترا صیاد ہے دار الاماں
لے ٹھکانے اب لگا دے ہم کو پھر کردگار

ق
مرغ بے پر کو قفس ہی راس ہے اے ہم صفیر
لے مبارک ہو تجھی کو مژدۂ فصلِ بہار

تین عالم ہیں یہاں بیداری و خواب و خیال
جبر سب میں تیسرا ہے گو سرابِ اختیار

سب میں ہیں آثارِ شادی و غم و بیم و رجا
کون کہہ سکتا ہے وہ بدبخت ہے میں بخت یار

ہو گی اب تو اور یہی دل ہوگا تا صبحِ کفن
شام کے مردے کو کب تک روئیگی اے جانِ زار

یہ دلِ رنجور یا رب کس مرض کی ہے دوا
عیش کیا اب غم کے بھی قابل نہیں یہ رازدار

الوداع اے یاس و حسرت الفراق اے رنج و غم
ہم عدم کو جا کے آئینگے کرو تم انتظار

عمر بھر تڑپا کیا اور ہم کو تڑپایا کیا
ساتھ کیوں لاتے تجھے اے دل جو ہوتا اختیار

دیکھتے ہیں ہم نگاہِ یاس سے وہ قہر سے
اے منجم کیا ستاروں سے رہیں امیدوار

عالمِ غربت میں یارانِ وطن جب تم نہیں
ہے برابر ہر جگہ گلزار ہو یا خار زار

اب وہی تو ہے مگر اے جان ہے مار آستیں
یاد ہیں وہ دن بھی جب آتا تھا تجھ پہ ہمکو پیار

حسرتیں چھائی ہوئی ہیں اور ہجومِ یاس ہے
یا الٰہی ہے یہ کس ارمان بھرے دل کا مزار

ہم ترے نیرنگ کے جب ہونگے قائل اے خیال
گر دلِ مردہ بھی دیکھے تیرے جلووں کی بہار

اس قدر مایوس کرنا تھا نہ اے نادان ہمیں
اے فلک اب ہو چکے ہر خوف و غم سے رستگار

بجلیوں سے کب ڈرے تھے ہم جو اب ڈر جائینگے
ننگے سر پھرتے ہیں لے اے آسمانِ ژالہ بار

خواب سے خوش تھے تو گھبرائینگے کیا تعبیر سے
ہم کو اب تعبیر در تعبیر کا ہے انتظار

ناصح نادان نہیں واللہ اِس کا نام صبر
مرگیا جب دل تڑپ کیسی کہاں کا اضطرار

شاید آتی ہے بلا کوئی الٰہی خیر ہو
ورنہ ہم سے بے سبب کیوں ہے زمانہ سازگار

آب و دانہ کیا ہے قید و قتل کی تمہید ہے
چرخ کی گرگ آشتی ہے غمزۂ غافل شکار

اے دلِ مرحوم ہے فرقت تری سوہانِ روح
بعد تیرے ہم بھی مرجاتے جو ہوتا اختیار

جان سے بڑھکر کبھی تھا یہ دلِ مردہ عزیز
اب لئے پھرنا بھی پہلو میں اسے ہے سخت بار

حقِ خدمت کرچکا ابرِ کرم اپنا ادا
برقِ خرمن سوز کے اب فرض کا ہے انتظار

خون کا اک قطرہ بھی کیا دل میں اب باقی نہیں
یہ بھی کوئی شغل ہے اے دیدۂ اختر شمار

دل لرزتا ہے تری قسمت پہ اے مینائے می
دیکھئے کب تک سنبھالے تجھکو دستِ رعشہ دار

میرے ساغر میں ہے اب می کے عوض تلخابِ یاس
میکدہ تیرا ہے اے ساقی مرا کیا اختیار

اے سرابِ دہر تھی بے بود سب تیری نمود
کھاکے دھوکا ہوگئے ہم یاس و حسرت کا شکار

ہم کو مایوسی سے نفسِ مطمئنہ مل گیا
تجھ سے ہم راضی ہوئے راضی ہوا تو ہم سے یار

کر بھی سکتا روز لاکھوں خون جلادِ فلک؟
خاک تجھ پر اے زمیں گر تو نہ ہوتی پردہ دار

ظرفِ عالی رکھتے ہیں ساقی نہیں منصور ہم
رازِ پنہاں اور مستی میں ہو ہم سے آشکار!!

تیرا سودا سر سے جاتا ہے کہیں اے مارِ زلف
گوشۂ تاریک مرقد میں بھی تو ہے یارِ غار

روئے جاناں روئے جائے چشم تر دل کو بچا
دیکھتی ہے تو بھی وہ جلتا ہے مانندِ چنار

اے دلِ مایوس تیرے درد کا درماں نہیں
پی بھی لے جامِ فنا کب تک یہ تصدیعِ خمار

ناک میں دم آگیا ہے پرسشِ بے صرفہ سے
جان کھائے جاتے ہیں بہرِ عیادت آکے یار

اے دلِ زندہ وہ تیری شوخیاں کیا ہوگئیں
آہی جاتا تھا کبھی اُس شوخ کو بھی جن پہ پیار

ڈھونڈتے ہیں رند ساقی کا پتا ملتا نہیں
العطش کی ہر طرف اس میکدے میں ہے پکار

زندگی تھی زندگی اب وہ مرض ہے لاعلاج
کیا ہلاہل سے شفا ہو جائیگی اے غمگسار

جی کی جی ہی میں رہی اظہارِ الفت کی امنگ
ہائے دل ہونے نہ پائے تیرے جوہر آشکار

عشق کے مجرم کو دیتا ہے سزا خود اس کا دل
نفسِ لوامہ میں پوشیدہ ہیں دوزخ بے شمار

اب اٹھائیں ناز اس کم بخت دل کے کس لئے
خاطرِ دلدار سے کرتے تھے ہم بھی اس کو پیار

مرگیا عاشق ترا آنکھیں کھلی ہی رہ گئیں
حشر تک ظالم! رہیگا اس کو تیرا انتظار

چھیڑ کر ہم کو رلادے ہجر میں ایسا ہے کون
بیکسی! لائیں کہاں سے غمگسارِ رازدار

عشق میں کھونے ملی ہے جان ہم کو اے طبیب
حفظِ صحت کو اگر ملتی نہوتی مستعار

ان نصیبوں پر بھی کرتا صبر لیکن کیا کروں
میری بدبختی کے بھی قائل نہیں ہوتے ہیں یار

کس طرح عاشق ہوے حیران ہیں ہم بھی کہیں
یاں سبب کس امر کا ہوتا ہے ناصح آشکار

اور اک معشوق پیدا ہو گیا ہے ہجر میں
رات بھر تیرا ہے دن بھر ہے اجل کا انتظار

دوست مرنے کی دعا کرتے ہیں دشمن زیست کی
اے فلک دیکھا کبھی ایسا کسی کا حالِ زار

اپنا اپنا ہے مقدر بال و پر کا کیا گناہ
جل کے مرتا ہے پتنگا ہوتی ہے بلبل شکار

سب ہیں اس دارالمحن میں مثلِ نے گرمِ فغاں
ذرہ ذرہ ہے جہاں کا دردِ دل سے بیقرار

میری میت کی نہ کر توہین سر جن بعدِ مرگ
زہرِ غم کے بھی کہیں ہوتے ہیں آثار آشکار؟

کھا چکا دھوکے وفا کے ہو وہ مایوس و خجل
ہنس کے رو دیتا ہوں گر پوچھا کسی نے حالِ زار

یہ بھی کوئی زندگی ہے غم کبھی شادی کبھی
گاہ جینا ناگوار اور گاہ مرنا ناگوار

زہر تھا گھولا ہوا شاید پیالے میں ترے
ورنہ ساقی مردہ کرتا ہے کہیں دل کو خمار

وقتِ آخر یا الٰہی میری آنکھیں ہوں کھلی
اب یہ حسرت ہے کہ دیکھوں میں نکلتی جانِ زار

سب مصائب سہ چکے پھر موت کیوں آتی نہیں
کس مصیبت کا ابھی ہے انتظار اے روزگار

رکھ کے خنجر حلق پر پوچھ آرزو اغیار کی
آزمانا ہو تو لے حاضر ہے تیرا جاں نثار

خضر کی منت اٹھائینگے نہ بہرِ کارواں
ہم یونہیں بھٹکا کرینگے دشت میں دیوانہ وار

اے محبت دیکھ یاں کاخ مصوّر کی طرح
حسرت و رسوائی و اندوہ ہے انجام کار

ہر بلا آتی ہے ہم پر یا الٰہی کس لئے
کیا خراباتِ جہاں میں اک ہمیں ہیں ہوشیار

ہو گئی دشمن اگر ساری خدائی بھی تو کیا
ہم کو کر سکتی نہیں محروم اجل سے زینہار

لٹ گیا سارا چمن مارے گئے سب ہم صفیر
آشیاں اب ہم جلا دینگے کہ دل کو ہو قرار

کر دیا تاراج سب سامان خوشا آزادگی
ہم نے چن چن کر نکالے تھے جو دامن گیر خار

کیوں نہیں کرتا قیامت اے دلِ وحشی بتا
تیری جولانگاہ اب لے دے کے ٹھہرا ہے مزار

بے کسی بے یار ہیں زور آزما لے اے فلک
کشتنی ہیں ہم پہ کر مشقِ ستم اے روزگار

ہو گئے ہم زندہ در گور اور مجنوں مر گیا
کیوں نہ ہو اے جان تجھ سے روحِ لیلیٰ شرمسار

آندھیوں سے کیا غرض کیا زلزلوں سے ہم کو کام
چار دن میں خود بخود مٹ جائیگا اپنا مزار

ہم کو ہر روز آفتوں کا سامنا ہو اے فلک
اور ہو مشہور بہرِ ہفتخواں اسفندیار!!!

آنکھ کو کر لے شریکِ حال رونے کے لئے
ایک تو تڑپیگا کب تک اے دلِ پر اضطرار

دولتِ بیدار ہاتھ آکر گئی ہے خواب میں
کس سے ہم تعبیر پوچھیں اے اجل! اے رازدار

اپنے نغموں سے جگاتی ہے کسے اے عندلیب
ہو گیا جی سیر ہم نے دیکھ لی گل کی بہار

ہم سیہ بختوں کے پاس آنے کو ڈرتی ہے اجل
دم شماری میں کٹیگی عمر تا روزِ شمار

جان لینی تھی تو کیوں ارمان نکالا دل کا ہائے
ذبح کرنا تھا تو کیوں پانی پلایا روزگار

اے دلِ پر آرزو کس نے لگائی تجھ کو آگ
جل رہا ہے جیسے صحرا میں درختِ باردار

شکر ہے اے عشق تو نے دی زباں بہرِ فغاں
آنکھ رونے کے لئے اور دل برائے اضطرار

پاس سا دل سوز تو کب تھا بتا اے داغِ عشق
جل گئے سب دل میں رہ کر کھٹکتے تھے جو خار

آئے دن کے شعبدوں سے اب تیرے جی اکتا گیا
ذوقِ عبرت کا نہیں ہم کو دماغ اے روزگار

ماجرا گلشن کا بھولے اب کہاں وہ ولولے
کیوں قفس میں چھیڑتی ہے ہم کو اے بادِ بہار

جنت و دوزخ ہیں پنہاں تجھ میں اے صہبائے عشق
یا وہ نشے کے مزے تھے یا یہ تکلیفِ خمار

فیضِ وصلِ گل سے تھے سب زمزمے و چہچہے
کر رہا صیاد اگر سننا ہو گل بانگِ ہزار

ہم وہی ہیں اور وہی گلشن ہے لیکن گل نہیں
دیدۂ و دل میں کھٹک جاتا ہے ایک ایک خار

اے زمانِ ہجر تو طولِ امل سے ہے دراز
توبۂ رنداں سے بڑھ کر وصل تھا ناپائدار

چرخ کے سنگِ حوادث کا نشانہ ہیں ہمیں
اے حصارِ عافیت اے کنجِ تاریکِ مزار

غیر کی جب آنکھ روئی دل ہمارا پھٹ گیا
تجھ سے بڑھ کر صبر فرسا رشک ہے اے ہجرِ یار

عمر بھر جلتی ہے پروانے کے سوزِ غم سے شمع
خوابِ راحت سے مگر ہوتا نہیں وہ ہوشیار

کون لپٹاتا ہمیں سینے سے مر جانے کے بعد
یہ بھی حسرت تو نے آخر کو نکالی اے فشار

فصلِ گل میں کر رہا صیاد! تیرا ہو بھلا
یوں بھی مر کر چھوٹ ہی جائینگے ہم انجام کار

یاد ہے اے زندگی جو کچھ کیا تو نے سلوک
وقتِ آخر ہم سنا دینگے اجل کو حالِ زار

اے بقائے روح ہر اک آرزو میں ہے خلش
کیا کریں جیبِ تمنائے اجل میں بھی ہے خار

نیک و بد میں خاک اس کمبخت کو ہو گی تمیز
عشق کا رہتا ہے جس کے سر پہ کافر جن سوار

ہائے پروانوں کو ناحق یہ جلائے جاتی ہے
نور خود میں ہوں مجھے کیا حاجتِ شمعِ مزار

شعلہ ہائے یاس نے دل کو جلا کر رکھ دیا
اس کے خاکستر میں بھی باقی نہیں کوئی شرار

گریۂ شادی کہیں یا اشکِ غم اے ہم نشیں
نزع میں آیا کوئی رونے لگے ہم زار زار

پیکے ہم جامِ طہور آئے یہاں بہکے ہوئے
اس خراب آباد سے لے چل ہمیں جلد اے خمار

حالِ باطن اپنا بھی مخفی ہے اے برگِ حنا
اس دلِ خوں گشتہ کی کس کو دکھائیں ہم بہار

جب سے کھولی آنکھ دیکھا اپنے سر پر آسماں
چین سے ہم کب رہے ہیں اے ہستیٔ ناپائدار

مر رہے ہیں دردِ دل سے ہم نہ تڑپیں کس طرح
ناصحِ بے درد کیونکر صبر کر لیں اختیار

ہجر کی شب کیا غضب ہے کوئی گل کر دے اسے
شمع کو پروانہ میرے سامنے کرتا ہے پیار

عشق کا آغاز دردِ دل ہے اور انجام داغ
تلخ کامی نشّے کے اوّل ہے اور آخر خمار

غیر کی بھی موت مل سکتی تو ہم لیتے ضرور
زندگی سے اس قدر بیزار ہیں اے ہجرِ یار

یہ کبھی تھی جاں فزا اور تھی کبھی سوہانِ روح
بوئے گل سے اب ہمیں کیا کام اے بادِ بہار

یا الٰہی دل ہراساں ہے پریشاں ہے دماغ
ایسے مجنوں کی دعا کا کیوں ہے تجھ کو انتظار

پیکے ہوگا کون دردِ لا دوا میں مبتلا
آبِ حیواں خضرؑ کو ہم کو مبارک زہرِ مار

آبروئے عشق مٹی میں ملائے دیتی ہے
ہائے تو کیا کر رہی ہے دیکھ چشمِ اشکبار

بوئے گل بلبل کے حق میں گنجِ باد آورد ہے
مجھ پہ بھی احسان کر لا اے صبا پیغامِ یار

برفِ پیری نے کیا ہے آنسوؤں کو منجمد
ہائے وہ کیا دن تھے جب تھی جوششِ سیلِ بہار

جستجوئے کارواں اک پا شکستہ کو بھی ہے
آنکھ میں پڑ جا پتا دینے سے حاصل اے غبار

پھٹ پڑا ہے جن پہ یا رب خوابِ نوشینِ اجل
ان کو کچھ پروا نہیں سو بار اگر بیٹھے مزار

کیونکر آیا یک بیک طوفان اشک و آہ کا
کشورِ دل میں ابھی آب و ہوا تھی خوشگوار

پردہ رکھ لے اس کی عریانی کا اے دامانِ دشت
تیرے سائے میں پڑا ہے آکے کوئی بے دیار

وصل میں بھی جاگے فرقت میں بھی جاگے ہم وہ ہیں
راتیں سب یکساں ہیں تیری عابدِ شب زندہ دار

تجھ کو اے دستِ جنوں دامانِ یوسفؑ کی قسم
پردۂ ناموسِ الفت کو نہ کرنا تار تار

منزلِ مقصود تک پہنچائیگا بھی یا نہیں
اے سمندِ عمر ہم کب تک رہیں تجھ پر سوار

ڈوب مرتے چشمۂ حیواں اگر ملتا ہمیں
اے خضر آبِ بقا کو ہم نہ کرتے زہر مار

تجھ کو مژدہ اے قفس اے آشیاں تجھ کو سلام
جامۂ صیاد سے آتی ہے ہم کو بوئے یار

کٹ گئی غفلت ہی میں حسرت میں ہماری زندگی
داورِ محشر ہمیں دنیا میں بھیج اور ایک بار

یاد ہیں وہ دن بھی جب کرتے تھے ہم اُس کا طواف
حجرۂ زندانِ یوسف حسن کا ہے جلوہ زار

چھن گیا دل ہم سے اب کیا چھین لیگا آسماں
ہم پہ منت ہو اگر لے لے حیاتِ مستعار

سخت جانی کا گلہ ہے آسماں کا کیا قصور
مر کے ہو جاتے ہم اب تک بندِ غم سے رستگار

راز بھی افشا نہوا اور دل کی بھی نکلے بھڑاس
اے مرے دیوار و در سن لو تمھیں احوالِ زار

ہم نے مانا سارے مُردے جی اٹھینگے روزِ حشر
یہ دلِ مردہ نہو گا زندہ واعظ زینہار

آہ و نالہ شیون و فریاد و زاری و فغاں
ہم سے جو کچھ ہو سکا سب کر کے دیکھا ہم نے یار!

ایسے گرم آنسو تو ہرگز دل سے آ سکتے نہیں
بہتی ہے دوزخ سے سیلِ آتشیں اے غم گسار

اے فلک کھا کر قسم کہتا ہوں اپنی موت کی
ایک راحت کے عوض میں دکھ دیئے تو نے ہزار

جان سے بیزار دل سے تنگ دنیا سے خفا
کون ایسا ہے بتادے ہم کو چشمِ روزگار

سانس لینا بھی تمھے بیمار کو دشوار ہے
رحم کر ظالم نہ پوچھ اس وقت اس کا حالِ زار

بے وفائی یار نے بھی کی دلِ زندہ نے بھی
چھوڑ کر ہم کو چلا جس کو ہم کرتے تھے پیار

کیوں ستاتا ہے ہمیں یا تو نہیں یا ہم نہیں
آج کرنے کو ہیں اے دل ایک آہِ شعلہ بار

اب مثالِ ویراں ہیں ہے افسوس دخلِ بومِ شوم
تھا کبھی یہ بارگاہِ یوسفی کا جلوہ زار

سانپ سا چھاتی پہ اپنی لوٹ جاتا ہے ذہیں
یاد جب آتے ہیں وہ پھولوں کے ہار اے گل عذار

اک نہ اک حالت میں یا اللہ دے عاشق کو نیند
جاگنا پڑتا ہے وصل و ہجر میں بے اختیار

ہم دلِ پروانہ ہیں اے بوالہوس جگنو ہے تو
ناخدا اب تو ہے اے طوفان جو چاہے وہ کر
تیری فرقت میں جہاں ہے خانۂ احزاں مجھے
گونجتی ہے کان میں اب تک وہ آوازِ درا
تیری عاشق آفریں آنکھوں کے جادو کی قسم
میرے جینے کی ابھی شاید انھیں امید ہے
جس کے ناصح وامق و نل قیس و فرہاد ہوں
اب مسیحائی یہی ہے زہر دیں بیمار کو
پاسِ پیمانِ وفا اے دل ہوا کیا ہائے ہائے
ہو چکا ہونا تھا جو کچھ اب تجھے کیا خوف ہے
دہر سے بیزار ہوں برزخ کو لیکر کیا کروں
خواب کو گونگے کے تعبیریں پشیماں کیا کریں
آخر اک دن زندگی کی داد کو پہنچیگی موت
ایک فانی دوسرے فانی پہ مرتا ہے یہاں
ہم کبھی کرتے تھے رم صیاد اب تو رام ہیں
گر دل و دلدار کو کھو کر جئے تو کیا جئے
برف کا ٹکڑا ہے سینے میں دلِ مردہ نہیں
کس طرح آنسو پئے جاؤں بھر آتا ہے دل
وحشت و حیرت سے فرصت کب ملی ہم کو یہاں

ظاہری ہیں گرمیاں ساری تری اے خام کار
جھونک دے گرداب میں یا میری کشتی کر دے پار
میرے یوسف جانتا تو کاش میرا حالِ زار
یاد ہے وقتِ سفر اور وہ خموشی تیری یار
سامنے آنکھوں کے آنکھیں رہتی ہیں لیل و نہار
ورنہ کیا بہرِ عیادت بے سبب آتے ہیں یار
غور کر عشق اس کا ہوگا کس قدر کامل عیار
نزع کی تکلیف سے واقف نہیں تیماردار
دیکھ شرمندہ کیا کس سے ہمیں اے نابکار
اے دلِ آفت رسیدہ کیوں ہے اب تک بے قرار
رات دن ہنگامۂ محشر کا ہے اب انتظار
اب خیالِ عیش و غم پہ زندگی کا ہے مدار
امتحاں کے وقت کیوں گھبرائیں کیوں ہوں بے قرار
یہ عجب کیا دہرِ فانی کی ہے اے پروردگار
خود چلا آتا ہے لے ڈالے ہوئے گردن شکار
بے حیائی گر نہیں یہ زندگی پھر کیا ہے یار
جیتے انگارا تھا یہ ہم اس سے اڑتے تھے شرار
زہر پی لینا مجھے آسان ہے اے غم گسار
رو دیئے بھی پائے نہیں جی بھر کے اے ابرِ بہار

جب سے دیکھا ہے کسی کو لب پہ ہے مہرِ سکوت — آنکھ میں الماس کی کنیاں ہیں سر میں ہے دوار

تجھ سے ٹھنڈا ہے کلیجہ اے دلِ دوزخ سرشت — ہم نہ بدلینگے کبھی جنّت سے تجھ کو زینہار

اے عدم کے جانے والو تم کو حوروں کی قسم — یار کو جا کر سنا دینا ہمارا حالِ زار

لے خبر مرغِ گرفتارِ قفس کی بھی ذرا — گرچہ اے ہمدم بہاریں ہیں ارم کی دل شکار

تو نے ناحق برق کو تکلیف دی اے آسماں — کیا گیاہِ خشک کو کافی نہیں تھا اک شرار

ہائے کیا کالی بلا تھی شامِ غربت اے وطن — گورِ کافر کی طرح دل ہو گیا تاریک و تار

مرنے والے ہم اگر ہوتے تو کیا مرتے نہ تھے — پھر کریں ہم کس لئے واعظ عبادت اختیار

انتظارِ مرگ میں آنے لگا ہے اب مزہ — ہم ہوں یا رب اور قیامت تک یہی ہو انتظار

راہبر کی کیا خوشامد راہ زن کا خوف کیا — جس مسافر کا فقط صحرا نوردی ہو شعار

روئے تھے وقتِ ولادت روئینگے ہم وقتِ موت — گریہ ہی گریہ ہے گہوارے سے لے کر تا مزار

کب چھوا ہم نے عروسِ دہر کو ظالم بنا — بے گنہ کو سنگسار اے آسمانِ ژالہ بار

حملہ آور کعبۃ اللہ پر بھی ہیں اصحابِ فیل — یا ہے ملکِ دل میں فوجِ یاس گرمِ کارزار

دل نیا دلبر نیا ہر روز اگر پیدا بھی ہو — ہم نہ بھولینگے دلِ مردہ کو یا رب زینہار

اب نہ پھولوں کی مہک ہے اور نہ کانٹوں کی کھٹک — مدتوں تک میرے گلشن میں بھی تھی فصلِ بہار

ہائے وہ دورانِ خون اور آہ وہ ہیجانِ روح — کیا یہ قالب ہے وہی اے جان جو تھا برق زار

روز اپنا ہے سیہ تیرے بغیر اے رشکِ مہر — ہم کو کیا عالم میں لاکھوں مہر ہیں گر نور بار

ہائے گل چیں مر گیا یا کوئی گل تازہ کھلا — کچھ تپا دیتا ہے ہم کو بوئے گل کا انتشار

وصل میں جینے پہ مرتے تھے اسی کی ہے سزا — اب مرے دل سے ہمیں جینا پڑا اے ہجرِ یار

کس لئے گھبرا رہا ہے یا الٰہی اپنا دل — آج کیوں ہم آسماں کو دیکھتے ہیں بار بار

ہے اناڑی چارہ گر دو ہی دوائیں یاد ہیں
گہ چھڑکتا ہے نمک گہ زخم پر مشکِ تتار

اک نہ اک دن موت کا بھی وقت آ ہی جائیگا
دل کو دیتی ہے یہ ڈھارس گردشِ لیل و نہار

چیر کر دل کو ہمارے دیکھ لے مرنے کے بعد
تجھ پہ ہو جائیگا سرِّ حق رازِ مخفی آشکار

سانپ کا کاٹا نہ سوئے کس طرح اے بوالہوس
دل کوئی بچھو کا کاٹا ہے جو روئے زار زار

بن گیا ہے دل ابھی دوزخ ابھی تھا زمہریر
یہ تلون آشنا بھی ہے مزاجِ روزگار

مرنے جینے کا مزہ جاتا رہا جاتا رہا
زندگی بھی ناگوار اور خودکشی بھی ناگوار

زیست سے بیزار ہیں مرنے سے گھبراتا ہے دل
تیسرا عالم کہاں سے لائیں اے پروردگار

اے زلیخا پیشوائی کے لئے آنا ضرور
قیدِ ہستی سے ترا یوسف ہو جب دم رستگار

گرم جوشی اب کہاں روشن ضمیری اب کہاں
آفتابِ کائنات دل ہے زیرِ ابرِ تار

ملکِ دل میں آ گیا طاعون یارب یا وبا
حسرتیں سب مر چکیں لاشے پڑے ہیں بے مزار

سر پہ ہے بارِ امانت بارِ عصیاں بارِ غم
چارہ گر اب اٹھ نہیں سکتا ترے احساں کا بار

عید اور عاشور دونوں کی حقیقت کھل گئی
دیکھ کر اس کو ہوے جب خواب سے ہم ہوشیار

شوخیاں اس کی پسِ پردہ تھیں اور بے پردہ شرم
یہ ادا کرتی تھی بے خود ہم کو اور وہ بے قرار

واعظِ نافہم تجھ پر فرض ہیں صوم و صلوٰۃ
ہم سیہ بختوں نے دیکھا ہی نہیں روئے نہار

عشق کا مٹنا قیامت کی علامت ہے مگر
زندہ ہم جب تک ہیں کیا ہوگی قیامت آشکار

جو گیا ہاں جو گیا اے مطربِ آتش نفس
نغمہ ہائے نالہ زا پر وجد کر اے جانِ زار

اس طرح تھم تھم کے رونے سے نہیں کچھ فائدہ
خونِ دل برسا دے سب اے دیدۂ خونابہ بار

بعد مدت آپ میں اب آ کے گھبراتے ہیں ہم
کس سے پوچھیں ہم وہی ہیں یا نہیں اے عشقِ یار

سن چہک بلبل کی جگنو کی چمک بھی دیکھ لے
کس میں پنہاں ہے بتا حال آفرینی کی بہار

اب نہ گھبرائیگا اے سوزِ محبت تجھ سے دل
خوابِ ہستی نے پریشاں کر دیا ہے ہائے ہائے
یوسفی بھی کی زلیخائی بھی کی اللہ رے ہم
تیرے درد انگیز نالوں سے ہے بلبل جس کو کام
شعلۂ آوازِ نی سے لگ گئی تن من میں آگ
حسنِ گل ہی پر فقط آیا نہیں بلبل زوال
گریۂ یعقوبؑ پر ایوبؑ کیا ہے اعتراض
کچھ کھٹکتا ہے جگر میں خارِ حسرت ہو تو ہو
کشمکش میں کس لئے رکھتا ہے اے خوفِ گناہ
دل میں اک کانِ ملاحت کا تصور دفن ہے
آسماں کی گر یہی بے مہریاں باقی رہیں،
بجلیاں سینے میں طوفاں دل میں سر میں گردباد
موت پر بھی ہم کو تھا ایماں لیکن اب نہیں
آب و دانے کی ہوس کب ہم کو لائی دام میں
اللہ اللہ حالِ دل پر آنکھ بھی روتی نہیں
مغفرت کا کیا مزہ یا رب جو یہ دل ساتھ ہو
عشق کے مجرم ہیں ہرگز رحم کے قابل نہیں
ہم بھی اِن آنکھوں سے دیکھینگے تباہی چرخ کی
عمر بھر جو فنا ہے اور دعوٰنا ہے ہم کو مثلِ شمع

کشتہ ہو کر قائم النار اب ہے وہ سیماب وار
ہم کو اب جلدی جگا دے اے اجل تیرے نثار
سارے حسن و عشق کے ہیں راز ہم پر آشکار
خار ہے آنکھوں میں اس کی شاہدِ گل کی سنگار
غرقِ مے کر دے مجھے اے ساقیِ حکمت شعار
گھٹ رہا ہے وہ بھی تو سمجھی ہے جس کو پائدار
جس کا یوسفؑ گم ہو وہ کیونکر نہ روئے زار زار
دل کو ملتا ہے کوئی شاید یہی ہے یادِ یار
اب دعائے موت کرنے کو ہے کوئی بے قرار
لذتِ جاوید سے زخمِ دروں ہے ہم کنار
ہم دلِ مرحوم کی فرقت میں کیا کیا ہونگے خوار
اور کیا کیا عشق کے فتنے ہیں اے پروردگار
پھر وہ آجائے تو ہو عاشور عید اے جانِ زار
جی سے تنگ آ کر ہوئے صیاد ہم تیر آشکار
کون ہوتا ہے شریکِ بیکسی اے ہجرِ یار
خلد میں دوزخ کو کیا لے جائیں اے آمرزگار
ٹوٹ پڑ اے آسماں دے اے زمیں ہم کو فشار
ہو خدا کے واسطے جلد اے قیامت آشکار
ساتھ لائے ہیں دلِ سوزان و چشمِ اشکبار

باغ سے جاتے ہیں ہم اچھا یونہیں اے باغباں
جیتے کیا ہیں دم شماری کرتے ہیں ناچار ہم
دل میں لاکھوں طرح کے آتے ہیں شک کچھ کہہ بھی دے
بھاگ کر تم سے کہاں جائینگے اے چرخ و زمیں
دل سے ناصح کی کہانی کا اثر جاتا رہا
اے لبِ ساغر تجھے اب منہ لگائینگے نہ ہم
سخت جانی نے کیا ہے ہجر میں ہم کو ذلیل
گر رہا کرنا ہو اے صیاد کر دے ہم کو ذبح
نزع میں کہتا تھا جو کچھ آنکھ میری کہہ گئی
حسرتیں گن گن کے کٹتی تھیں جو راتیں کیا ہوئیں
کس طرح آسان ہو تیغ و گلو کا مرحلہ
وقتِ آخر ہم ہیں اور تیرے کرم کا ہے یقیں
خیر میخانے کی ساقی ہم کو بھی کر دے خراب
اے طلسمِ خانۂ زندانِ ہستی ٹوٹ جا
دل کش تھا کس قدر اک حجرۂ تاریک و تنگ
بال و پر بلبل کے ہیں اے گل ہوا میں منتشر
رازِ الفت کیا چھپے جب دل ہی قابو میں نہ ہو
سینۂ عاشق نہیں تجلی کی جولانگاہ ہے
عاشقوں کی آہ سے جلتا ہے انجمن رات دن

کچھ گریباں گیر ہیں اور کچھ ہیں دامن گیر خار
کیا کریں ہم کو جلاتا ہے خدا اے ہجر یار
آج کیوں چپ لگ گئی ناصح خدا کی تجھ پہ مار
ہم سہینگے زندہ رہکر ظلم یا مر کر فشار
سن کے سب کچھ لے لیا جب نام تیرا ایک بار
عیش سے درگذرے جھیلے کون تکلیفِ خمار
عشق پر اب حسن کو آئیگا کیوں کر اعتبار
بے ترے کیا آئے مرغِ دست پرور کو قرار
سن چکا وہ سن چکا حیران تھے تیمار دار
ہائے وہ جادو کہاں ہے تم میں اے شبہائے تار
کیا کریں اے تشنہ کامی کند ہے خنجر کی دھار
یوں تو ساری عمر گذری تھی ترے شکووں میں یار
ابلہی ہے ابلہی مستوں میں رہنا ہوشیار
شاہد مقصد سے اے یوسف ہو جلدی ہم کنار
ہم ترے قائل نہیں ہیں اے فضائے مرغزار
مژدہ لاتی ہے سنانے کس کو اب فصلِ بہار
زور تجھ پر کیا چلے اے گریۂ بے اختیار
یاں خس و خاشاک ہرگز پا نہیں سکتے ہیں بار
تفرقہ انداز گردوں کا یہی ہے [illegible]

کیا غرض ہے تجھ سے ہو جا بند اے بابِ قبول
اب دلِ بے مدعا کے بھی نہیں ہم خواستگار

سچ بتا اے عشق کب خاطر ہماری جمع تھی
وصل میں بے خود رہے یا ہجر میں تھے بے قرار

خود کشی کی ہجر میں جرأت کہاں سے لایئے
وہ کہاں حسن کو دکھائیں خونِ عاشق کی بہار

مر چکیں ساری تمنائیں بجز ارمانِ مرگ
اب یہ سیلِ فوجِ حرماں سے ہے گرم کارزار

ناخدا کے ناز ہم کب تک اٹھائیں یا خدا
ڈوب جائینگے نہیں اچھا نہ پیدا ہو کنار

چین سے ہم پل رہے ہیں خانۂ صیاد میں
اب ڈراتا ہے کسے اے آسمانِ برق بار

ہم ہیں بے دل اے دلِ شوریدہ تو ہے بے دماغ
نبھ نہیں سکتی ہے اب صحبت ہماری تجھ سے یار

اے دلِ مرحوم ہم مرنے سے گھبرائینگے کیا
جانتے ہیں تو ہمارا کر رہا ہے انتظار

آئیں زاہد جب فریبِ حسنِ فانی میں خلیلؑ
کیا عجب گر ہم بتوں پر دین و دل کردیں نثار

برق! اس پر بھی کرم ہو دیکھ یہ ہے آشیاں
تیرے چلتے ہر شجر کی ہم بھی لوٹینگے بہار

کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ مانگیں کیا دعا
دل میں کچھ ہے لب پہ کچھ ہے ہم ہیں ڈانواڈول یار

بعدِ منزل. حرصِ ساماں. آمدِ تاریک شب
رحم کر اے راہ زن تا دوش سے اترے یہ بار

قیس ہم دشتِ جنوں میں راہبر ہیں مثلِ خضرؑ
رہنمائی تجھ سے آواروں کی ہے اپنا شعار

اے درازئ شبِ فرقت ترا کچھ ڈر نہیں
داغ ہائے حسرتِ دل کا کرینگے ہم شمار

ہونٹ ناصح کے تو سی اے چارہ گر بہرِ خداؑ
زخم کی تکلیف سے طعنے ہیں بڑھکر ناگوار

یا الٰہی اب تو ہم دنیا میں رہ سکتے نہیں
کیوں نہیں آتی قیامت کچھ ہے کس کا انتظار

گریۂ یعقوبؑ کرنے سے ہوا کیا فائدہ
اس مصیبت میں کریں کیا صبرِ ایوبؑ اختیار

رندِ دریا نوش ہیں ہم دیکھ اے ساقی ادھر
یوں تو میخانے میں تیرے ہیں ہزاروں جرعہ خوار

تو ملامت ہی کئے جا ہم پئے جائینگے مے
وہ ترا شیوہ ہے واعظ یہ ہمارا ہے شعار

گو زنک گر پڑے گر پہنچا تو بازی جیت لی
موت نے انسان کی خود بینی کا پردہ رکھ لیا

ظلم معشوقانہ کی تقلید پر مرتا ہے وہ
واعظِ مغرور بھی ہوتا اگر میری جگہ

آنکھ میں ہے نور تجھ سے دل میں ہے تجھ سے سرور
کثرتِ گل سے نظر آتے ہیں پتّے رشکِ گل

زالِ دنیا تو نے مردوں کو دیئے کیا کیا فریب
چھوڑ کر گلزارِ قدس اِس خاکداں میں پھنس گئے

کچھ نہیں وہ بے رجوع و بے خضوع و بے خشوع
چاہ نے تیری جھنکائے ہیں کنویں یوسفؑ کو بھی

حُسن سے بھی بڑھ کے مستی خیز ہے بے شک سماع
عقل اچھی یا جنوں اچھا کسے معلوم ہے

چور ٹھہریں قید ہوں بازار میں جا کر بکیں۔
رہ چکے ہیں قیدِ ظلماتِ ثلاثہ میں بھی ہم

بند جب ہونے لگیں آنکھیں تو وہ یاد آ گیا
رات دن صبر و دعا و شکر سے ہم کو کام

حضرتِ زاہد ہمارا بھی بچھونا ہے زمین
ایک سی شی کوئی دنیا میں نہیں ہے دوسری

بس یہی دریافت کے قابل ہے رازِ فلسفی
ٹھوکریں اس رہ میں کھائی ہیں ابھی اے نشہ سوار

ورنہ ہر منکر رگڑتا سر کو تیرے در پہ یار
کیا تمدن میں ہے داخل لذتِ بوس و کنار

اس میں کیا شک ہے کہ ہوتا وہ بھی رندِ بادہ خوار
تیرے دم سے زندگی ہے زندگی اے عشقِ یار

شاہدِ قدرت کی گل پوشی ہے یا فصلِ بہار
تیرا منہ کالا ہو اے قحبہ خدا کی تجھ پہ مار

شامت آئی ہو گیا جب نفسِ دوں سر پر سوار
ہوں دعا میں قلب و ارکان و لساں سرگرمِ کار

اے زلیخا عشق میں تو ہی نہیں ہے بے قرار
آتشِ شوق تھا بھڑکانی ہے آوازِ یار

ہم کبھی اس کے کبھی اس کے ہیں یا رب چھ گنہگار
حضرتِ یوسفؑ اسی قابل تھے کیوں اے روزگار

اب ترا کیا ڈر ہے اے تاریکیِ کنجِ مزار
آنکھ کھلتے ہی جہاں میں سُن لیا تھا نامِ یار

کیا یونہیں کٹتے ہیں اپنے ہری تر لیل و نہار
آپ سے نیکوں کے سر پر بھی ہے چرخِ فتنہ بار

ذرّے ذرّے سے ہے یا رب تیری وحدت آشکار
حُسن کیا ہے اور کیوں کرتا ہے دل کو بے قرار

عقل کے سائے سے بھی اب بھاگتے ہیں وہ رہم
سُن لیا جب سے کہ ہے وہ راندۂ درگاہِ یار

عاشقی کیا کی ڈبویا نام ہی اے کوہ کن
دعویٔ عشق اس پہ یہ زور آزمائی اے گنوار

ہائے غفلت تھا حصارِ عافیت خود زیر پا
کی سمندِ عمر نے برسوں میں طی یہ رہ گذار

"شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن"
ملک تیرا چھوڑ کر کوئی کہاں جائیگا یار

بجلیوں کی چشمکوں ہی پر اٹھانا ہے قدم
راہِ ظلماتِ طلسماتِ جہاں ہے خارزار

دیدۂ گریاں نے کب سرسبز کی کشتِ امید
تجھ میں ہے اعجازِ خضر اے گریۂ ابرِ بہار

فتنۂ دجالِ نفسِ شوم سے مجھ کو بچا
نزع میں ہے اے مسیحِ عشق تیرا انتظار

راز جائیگا گل وبلبل کا اب بازار میں
ہے ہوا کے گھوڑے پر غمازِ بوئے گل سوار

اے گناہوں کی سیاہی کردے منہ کالا مرا
ورنہ کیونکر منہ دکھاؤں یار کو روزِ شمار

کچھ نہیں خوف وخطر راہِ عدم ہموار ہے
بند آنکھیں کرکے سب کرتے ہیں طے یہ رہ گزار

ناخدا غائب ہے طوفانِ حوادث کا ہے زور
بحرِ ہستی میں جہازِ عمر پر ہم ہیں سوار

عرصۂ ہستی کو تونے طی کیا اک آن میں
گرمِ رفتاری کا تیری پوچھنا کیا اے شرار

تختِ اندر کو بھی دیکھا مجلسِ گلفام بھی
ہم کو دھوکا دینگے کیا اب عیش و رنجِ روزگار

سُن او لجھ جاتے ہیں سلجھانے سے عقدے دہر کے
اور حیرت غور سے بڑھ جاتی ہے اے ہوشیار

بادشاہی کو بھی ہے اے برہمن میرا سلام
پھر خدا لائے نہ اس بیت الحزن میں زینہار

ابرِ رحمت میں بھی ہیں اے واعظِ خود بیں ضرر
برقِ خرمن سوز میں بھی ہیں منافع بے شمار

خضرِ رازِ ہستیٔ موہوم کو سمجھے نہیں
آنکھ کھلتے ہی حقیقت پا گیا لیکن شرار

صورتِ افشاں چمکتے ہیں یہاں تارے نئے
شاہدِ قدرت کا ہے ہر رات کو تازہ سنگار

واعظو ہم نشۂ لاتقنطوا میں چور ہیں
فکرِ فردا ہو مبارک اُن کو جو ہیں ہوشیار

نغمے اور نالے ہیں پوشیدہ نفس کے تار میں
آگے آگے اپنے ظلمت پیچھے پیچھے نور ہے
وقت جو جاتا ہے پھر وہ ہاتھ آسکتا نہیں
ہم نے کیا جانا یہاں دانش کا دعویٰ کیا کریں
اے طبیعی زلزلے سے اس قدر ڈرتا ہے کیوں
عشق پردے میں رہے بازار میں آجائے حسن
اے سرابِ رنگ و بوائے موجِ خیزِ آرزو
تو نے پتھر کو ہلایا جل گئے ہم رشک سے
گوشِ مجنوں میں خدا جانے اجل نے کیا کہا
مجھ کو کیوں خورشید پر دھوکا ہو روئے یار کا
تو بھی اے بلبل کبھی گل تھی کبھی صیاد تھی
قطرۂ شبنم میں ہے جب نیرِ اعظم کا عکس
واہ کیا کہنا ترا اے جلوۂ حسنِ ازل
ہیں بلا کے سیمیاگر شاعر و ناول نویس
مانیِ اندیشہ بھی تصویرِ حیرت بن گیا
یاد رکھ نوشیرواں بہتر ہے نادر شاہ سے
تجھ میں کیا ہے اے حیاتِ دہر اے جنسِ غرور
تارکِ دنیا ہیں ہم متروکِ دنیا شیخ ہے
کھینچتا ہے آپ کو اے شیخ کیوں رندوں سے دور

عشق ہے مضراب اور انسان کا دل ہے ستار
کس طرح کھینچے لئے جاتے ہیں یہ لیل و نہار
کونسا دم یاں دمِ آخر نہیں اے ہوشیار
علم ہی کی خود حقیقت جب نہیں ہے آشکار
کروٹیں لیتا ہے زیرِ خاک کوئی بے قرار
کیا کرشمے ہیں ترے اے انقلابِ روزگار
سیمیائی تیرے جلوے ہیں دلِ انساں شکار
وہ تری شوخی ہے برقِ طور اب تک یادگار
اب وہ صحرا نوردی ہے نہ سیرِ کوہسار
میں نہیں جمشید! مستِ جامِ عشرت زینہار
بھیس میں گل چیں کے بھی لائیگا تجھ کو روزگار
کیا عجب گر میرے آئینے میں ہو تصویرِ یار
ہیں ترے لاکھوں شموسِ بازغہ آئینہ دار
ہے تخیل ان کا یا حسنِ ازل کی ہے بہار
خامۂ قدرت کے صدقے واہ رے نقش و نگار
عقل و مذہب کا یہی ہے فیصلہ اے ہوشیار
وجہِ حسرت ہے ترا لہو و لعب انجامِ کار
جیفہ ہے دنیائے دوں طالب ہیں اس کے جیفہ خوار
ایک چلتا پرزہ ہیں عالم کی کل میں ہم بھی یار

محتسب آخر خدا کے پاس جنت بھی تو ہے
کیوں فقط دوزخ پہ ہے تیری سیاست کا مدار

کس کو ہے تابِ ستیز اور کس کو یارائے گریز
ہے قدر انداز پیچھے سامنے تاریک غار

مر رہے ہیں ہم تمنا میں فنا فی العشق کی
ہے تنازع للبقا میں ساری دنیا گرمِ کار

ہیں یہاں نمرودِ نفس و آزرِ دل فتنہ خیز
اے خلیلِ روح اب ہم کو ہے تیرا انتظار

گورکن کے چھوٹے بچے مر رہے ہیں بھوک سے
کوئی مر جائے، تو یہ جی جائیں اے پروردگار

آپ قاصد آپ اسکندر ہے تو شاہ بھی آپ
عشق کے آئینے میں نیرنگ زا ہے حسنِ یار

کارگاہِ دہر میں فعل عبث کوئی نہیں
ایک نے کھائی اگر ٹھوکر تو سنبھلے نین چار

ہو فنا فی العشق اگر منظور ہو تجھ کو بقا
جو ہوا بے دل وہ صاحبِ دل بنا اے ہوشیار

فرطِ غم ہے گر جہنم فرطِ شادی زمہریر
گرچہ دونوں ضد ہیں لیکن ایک ہے انجامِ کار

سمجھے آبی جانور اس کو نجس کھایا نہیں
لاشۂ فرعون کی قسمت میں لکھا تھا وقار

یومِ آخر اور خدا کا عمر بھر سنتے تھے نام
ناؤ میں دونوں کو اے طوفان دیکھا ایک بار

کون کہتا ہے یہ شرِ محض ہے وہ خیرِ محض
ایک ہی شئی آج امرت اور کل ہے زہرِ مار

چاہ میں بازار میں زنداں میں کیا دیکھا نہ پوچھ
یوسفی بھی تھی رہینِ مشقِ نازِ روزگار

اے سمندر گو ہے آتش دشمنِ نخلِ حیات
تیرے حق میں وہ خلیل اللہ کا ہے لالہ زار

بعد مرنے کے تو باقی ہے امیدِ وصلِ دوست
گرچہ ہے اے مادی جینا ہمیں بھی ناگوار

توس کی تحقیق سے حل ہو گیا سعدی کا قول
دفترِ عرفان ہے ہر برگِ درخت اے ہوشیار

منکرِ موسیٰ بھی لایا ہاتھ پر ایمان ترے
لائی تو اے موجِ دریا کیا پیامِ قہرِ یار

لیلیٰ محمل نشین کا ناقہ ہے تیرا ہی دل
عرصۂ عالم میں ہے کیا خاک مجنوں جز غبار

اے مہوس کیمیا کا عشق خود ہے کیمیا
بن گیا ہے دیکھ دل تیرا زرِ کامل عیار

کیا کریں ہم توڑ ڈالا ہے تری موجوں نے دم — لے حوالے ہیں ترے اے بحرِ ناپیدا کنار

کوئی خود کو جانتا ہے نیست کوئی حق کو نیست — اب بھی کچھ منصور ہیں فرعون ہیں گو بے شمار

خامشی میں فکر گویائی میں ذکرِ دوست کر — اور کیا تدبیر ہے عاشق ہے بہرِ وصلِ یار

روشنی و گرمیٔ مہرِ قدم ہیں علم و عشق — دیدہ و دل کی چمک ہر ذرّے سے ہے آشکار

تو نے کیا دیکھا یہاں آ کر تبسم کیوں کیا — آنکھ ابھی کھولی ابھی کیوں بند کر لی اے شرار

تیری چستی تیری مستی اے جوانی دیکھ لی — تیری سستی تیری پستی کا ہے پیری انتظار

جو دکھایا خوابِ ہستی نے وہ ہم دیکھا کئے — ہم تھے مرفوع القلم اے داورِ روزِ شمار

گر نہیں ممکن تو پھر اے ناصحِ ناداں بتا — دل میں کیوں ہوتی ہے پیدا آرزوئے وصلِ یار

ہے صراطِ استقامت جادۂ دار السلام — راست چپ افراط اور تفریط کے تاریک غار

ایک دل اور سیکڑوں بت ناز کس کس کے سہے — ہم نے اے آزر کیا دینِ حنیف اب اختیار

ذبح کرنے کو پدر راضی ہے مرنے کو پسر — عاشقوں کی ہے شریعت ہی جدا اے ہوشیار

دکھ بھی ہے اور سکھ بھی ہے یاں آس بھی ہے یاس بھی — منعم و مفلس برابر کے ہیں دونوں حصہ دار

آ گیا بس اس بیچ دیکھی جس میں محبوبی کی شان — قلب ہے دل کا لقب اور انقلاب اس کا شعار

ناصح اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ ہے — ژاژ خائی اور تو ہم اور حدیثِ عشقِ یار

اے مزیلِ عیش و غم اے طبعِ ثانی واہ واہ — مٹ گیا خلد و سقر کا فرق بھی انجامِ کار

ناز ہے شاہ گدا کو اپنے اپنے عیش پر — زعمِ باطل پر ہے ان دونوں کے خنداں ہوشیار

مر رہے ہیں سب بقائے نام کے ارمان میں — فانیوں کو کیا غرض ہے تجھ سے اے لوحِ مزار

الفتِ جان و جہاں سے دل نہ جب تک سیر ہو — آرزوئے وصلِ جاناں ہے جنوں اے خام کار

پرورش موسیٰ نے پائی دامنِ فرعون میں — شانِ بیرنگی بھی ہو جاتی ہے گاہے آشکار

عشق کیا بھولے رہے کیونکر نصیحت تیری یاد
انس و نسیاں دونوں ہیں انسان کا اے ناصح شعار

یہ جو مردہ ہے بغل میں زندہ ہو ممکن نہیں
ہم کو پھر کیوں عیسیٰ موعود کا ہے انتظار

چھینتا جاتا ہے سب سے صحت و زور و جمال
ایک کو دیتا ہے سو میں مال و منصب روزگار

عالم نیرنگ ہے تصویرِ بے رنگی و رنگ
آفتاب و ابر سے قوسِ قزح ہے مایہ دار

علم ہے کچھ اور شے نیکی ہے اے سقراط اور
حکمراں جذبات ہیں اور عقل ہے بے اختیار

ایک دن بھی تجھ سے میں غافل نہ تھا اے جانِ جاں
موت کی کھا کر قسم کہہ دوں گا وقتِ احتضار

حسرت و حرماں ہیں حبِ نفس و حبِ آغلیس،
جانِ جاں کا عشق ہے عیشِ مخلد کا مدار

ظاہر و باطن مرا ہے باطن و ظاہر ترا
تجھ سے میں ہوں آشکار اور مجھ سے تو ہے آشکار

یہ نہ ہو تو رائی و مرئی و رویت ایک ہیں
عالم صورت کا اے غافل ہے غفلت پر مدار

کب ڈبوئے دیکھیں اس کشتی کو گردابِ فنا
بس یونہیں چکرا رہی ہے جب سے ہیں اس پہ سوار

حافظے کے غول پیچھے وہم کے بت سامنے
زندگی کا مرحلہ ہے اور یہی لیل و نہار

مدتوں ہم نے اٹھائے قحبۂ دنیا کے ناز
اب کبھی یہ جی میں آتا ہے کہ کر بیٹھیں ظہار

اے رحیم اے داورِ محشر ہیں کیا حکم ہے
مجرموں کے اعترافِ جرم کا کیا انتظار

سادگی ہائے دلِ عاشق کی کچھ تو داد دے
آسماں کے دام میں وہ آ رہا ہے بار بار

جان سے بیزار ہوں کب تک عتاب اے جانِ جاں
مرنے کو تیار ہوں تا کے نقاب اے روئے یار

تیری حسبت و خیز لائے کوئی کیونکر اے سپند
دو قدم میں ہو گیا تو عرصۂ ہستی کے پار

ایک جاہل ہو حکم دو عالموں میں ہے غضب
روزِ محشر کا نہ ہوگا کس لئے پھر انتظار

عشق کے قبضے میں ہیں ہم اپنے قابو میں ہے عقل
جبر کا ناصح عمل ہے نام کو ہے اختیار

دیکھ لی اس کی جھلک فرعون نے بھی نیل میں
دشتِ ایمن میں جو موسیٰ پر ہوا تھا آشکار

نارسا نالے مرے اور تیرے اوہام اے حکیم
خفتہ بختوں کو کہیں آتی ہے نیند اے آسماں
جھومتے ہیں مست سب کے سب کیفِ شرابِ عشق سے
ہو نہ ہو کافورِ پیری ہے دلیلِ مرگِ دل
دل کو خونِ آرزو سے غسل ہم دیتے رہے
کر دیا بے ہوش جب کاٹی رگِ جانِ حزیں
وعظ سے کیا تیرے کم ہو جائینگے واعظ گناہ
تیرے سب اغراض پورے ہوں اگر اے خود پرست
ہم میں اور تم میں یہی ہے فرق اے سنگ و شجر
عشق کے کشتے کو کیوں دق کر رہا ہے اے اکسیر
اے فریب آبادِ گیتی شعبدے دیکھے ترے
کچھ فقط دل ہی نہیں صیدِ کماں دارِ ازل
وقتِ آخر عمر کے سارے عمل تھے سامنے
تجھ سے ہے سب کی نمود اے مہرِ تابانِ جود
تجھ کو اے سیراب دے سکتا نہیں دھوکا سراب
یہ نہ جائیگی تڑپ جب تک نہ ہو جل کر بھسم
ہے تمنا کی خلش ہر حال میں اے اہلِ دل
دیکھتے ہیں دستِ قدرت کے کمال اغیار بھی
معصیت کو اور مصیبت کو خودی لائی ہے ساتھ

پھینکے جاتے ہیں شہابِ آسماں زمیں پر بار بار
دل کے بہلانے کو ہے خوابِ عدم کا انتظار
ایک ذرّہ بھی نہیں حرکت سے خالی زینہار
سرد آخر ہو گئی جو آگ تھی دل زندہ دار
لیکن اب تک اس کے باطن میں ہے شوقِ وصلِ یار
ہے مسیحائے اجل کیا رحم دل حکمت شعار
مادّے کی طرح خیر و شر رہینگے برقرار
ہو جدا شیرازۂ نظمِ جہاں کا تار تار
جانتے ہیں ہم کہ ہیں بے علم اور بے اختیار
قبلہ و دین و نبی و رب نہیں جز عشقِ یار
یاں حقیقت جس کو ہم سمجھے وہ نکلا اعتبار
مرغِ بسمل کی طرح ہر ذرّہ بھی ہے بے قرار
جنت و دوزخ ہیں جیبِ حافظہ کے پود و تار
ذرّے ذرّے کا ستارہ تو ہی چمکاتا ہے یار
مدّعی ہستیٔ موہوم ہے عنقا شکار
دل مرا برقِ تجلّی کے لئے ہے بے قرار
آج شوقِ زیست ہے کل موت کا تھا انتظار
اک ہمیں ہیں بادہ آشامِ بہارِ حسنِ یار
یہ جو کھو جائے تو انساں ہے ملک کا افتخار

دیکھ چشمِ حق نما سے ہیں ارادی سب کے سب
یہ ہے پابندِ ہوا اور وہ ہے مستِ جامِ ہو
تو چڑھی کب تک رہیگی اے کمانِ آسماں
اے ٹٹانک کردے گو علم نے بازو قوی
روئے پیری میں جوانی کو جوانی میں تجھے
عاشق و معشوق کو ہے وحدت و کثرت پہ ناز
یاں بھی بازارِ حیات و موت و پیدائش ہے گرم
ہے طریق اس کا شرہ اور اس کا مسلک ہے خمود
تجھ کو پاکر ہو گئے ہیں مطمئن دل اور دماغ
کھل کھلا کر ہنستے تھے روتے تھے ڈاڑھیں مار کر
جو نہیں ہے مست اس کو پست ہونا ہے ضرور
پھینک ڈالا تاج الیا وجد اس کو آگیا
شیخ ہم ریو و ریا و رنگ سے آزاد ہیں
پرتوِ ہستی ہے اے زندیق تو ہستی نہیں
چاہِ بیژن کا طواف اور دخترِ افراسیاب
پی تو لے ظالم ذرا سی آتشِ سیالِ عشق
منکرِ حق جی رہا ہے کونسی اُمید پر
تخم سے مطلب نہیں ہم کو ثمر سے کام ہے
ہم تماشا ہم تماشائی تماشا گر ہمیں

عالمِ اسباب میں گو حرکتیں ہیں بے شمار
مادّی ہے منکرِ وحدت نہ صوفی زینہار
تیرِ بارانِ حوادث سے ہیں سب کے دل فگار
بحرِ قدرت میں ابھی انسان ہے بے اختیار
لیکن اے طفلی بتا روتے تھے کیوں ہم زار زار
اُس کا مطلوب ایک ہے اور اِس کے طالب بے شمار
ایک شہرِ آرزو ہم میں بھی ہے اے شہریار
رند و زاہد دونوں ہیں دور از صراطِ استوار
آہ اُس کا انتشار اور ہائے اِس کا اضطرار
لذّتِ عیش و الم کا تھا جوانی پر مدار
زاہدِ خود بیں نہ کر تو شانِ ابلیس اختیار
جام میں دیکھا جو کیخسرو نے عکسِ روئے یار
ترکِ دنیا بہرِ دنیا اور اس پر افتخار
فرقِ شخص و عکس بس اس کا یمین اس کا یسار
بادلی کے ننگے سر پر عشق کا جن تھا سوار
حسن کا ہر شعبدہ و شر نشہ بھی بن جائے خمار
آفتوں کا ہے نشانہ ذلتوں کا ہے شکار
خلطِ سودا ہو تو ہو ذوقِ آفرینِ حسنِ یار
کیا تماشا ہے تھیٹر میں ترے اے روزگار

روحِ حیوانی میں ساری روحِ انسانی نہیں
مرکبِ بادِ بہاری آہ ہے بوئے گل سوار

دل کو دنیا سے اُٹھا کر آئے ہوں جب تیرے پاس
کیا نہ اے راہبِ ریاضت کا اٹھیگا ہم سے بار

دیدنی ہے دل فریبی عیشِ غم انجام کی
آخری دم تک ہے انساں مثلِ طفلِ شیر خوار

قلزمِ سیماب میں پرتو فگن ہے آفتاب
یا دلِ بے تاب میں ہے جلوہ گستر روئے یار

پیکرِ خاکی کو ہے معراج حاصل روح سے
شہپرِ پرواز ہے موجِ ہوا بہرِ غبار

تیرے چوگاں کے ہیں تابع گوئے دل کی حرکتیں
گرچہ کہ اُٹھتا ہوں گا ہے مجھ کو بھی ہے اختیار

دل وہ مقناطیس ہے جس کی کشش جاتی نہیں
زلزلے گو جسم کے کشور میں آئیں بے شمار

جانِ جاں روحِ رواں ایمانِ ایماں عشق ہے
جی فدا جان اس پہ قربان دین و دل اس پر نثار

فی الحقیقت کیا ہے تو اے موت رحمت ہے کہ قہر
تجھ سے ڈرتا ہے کوئی کوئی ہے تیرا خواستگار

آہنِ تیرہ درونِ ہے زنگ آلودہ تو کیا
جذبِ مقناطیس اگر اعجاز اپنا آشکار

یوسفؑ زنداں نشیں جینے سے گھبرایا نہیں
یوسفِ افسر بسر کو موت کا تھا انتظار

کچھ نہ کچھ کام آتے ہیں لاشے بھی حیوانات کے
خود غرض انساں کی میت دوشِ یاراں پر ہے بار

طفل خو انساں سمجھ لیتے ہیں دیوانہ اسے
ہوگیا قیدِ علائق سے جو کوئی رستگار

زندہ دارِ دل نہیں ہے کوئی شے جز سوزِ عشق
گرمیٔ دل پر حیاتِ جسم کا ہے انحصار

ہند اک چھوٹے سے کوزے میں ہو دریائے طلسم!!!
واہ رے دل تجھ سے ہے قدرت خدا کی آشکار

گرگ کی منطق ہے کافی آسماں کے ظلم کو
ہے خطا یہ بھی کہ دریا میں اڑایا کیوں غبار

دیکھ شمشیر آ گیا اب سمجھ کر کوہ کن کا امتحاں
اپنے ہاتھوں سے تو اپنے پاؤں پر تیشہ نہ مار

خوابِ خرگوش اور شئی ہے خوابِ صیاد اور ہے
غافلو رہتا ہے دل مستوں کا دائم ہوشیار

اے زنِ ہندی اگر ہے دعویٔ مردانگی
تن کے بدلے من جلاتی کیوں نہیں اے سوگوار

آج تک بھی سب عجوزِ دہر کے گرویدہ ہیں
اس کے چہرے پر جوانی کا نمک ہے برقرار

اک جواہر پارہ ہے سینے میں غافل! دل نہیں
جب یہ ترشیگا تو ہونگے اس کے جوہر آشکار

جامِ جم کو سکندر کو تھا آئینہ پہ فخر
شیشۂ ٹشکستۂ دل پر ہے ہم کو افتخار

رشک کے قابل ہے ملّا کا طریقِ عاشقی
ہے حریفوں کا وہی خود راہبر تا کوئے یار

صبر ہے غم کی دوا تریاق ہے سم کا علاج
فیضِ فیاضِ ازل پر ہیں دلائل بے شمار

جسم کل ہے روح انسانی کے پیکر کا حجاب
کیوں نہ ہو فانوس شمعِ انجمن کا پردہ دار

تجھ کو لیکر کیا کریں اے طوطیِ شیریں زباں
فاختہ کا تجھ میں دل ہوتا تو کرتے ہم بھی پیار

پھنس گئی دیکھا۔ مزہ چکھا عسل کا اے مگس
لذّتِ عیشِ جہاں گویا ہے گنجِ زیرِ مار

کیا ڈراتا ہے جہنم سے ہمیں اے بے خبر
ہم ہیں واعظ رمز فہمِ شوخیٔ گفتارِ یار

بھاڑ میں جائے ارے شماس تو اور تیرا دیں
کور باطن تجھ کو کچھ سوجھا نہ فرقِ نور و نار

دست و بازو سے جو اپنے کام لیتے ہیں یہاں
مائدے اور منّ و سلویٰ کے نہیں وہ خواستگار

کب نہیں ہے محشرستاں عالمِ کون و فساد
زاہدِ ناداں نہ کر اندیشۂ روزِ شمار

وہ حواسِ خمسہ کی راہوں سے تو آیا نہیں
پھر مکانِ پنج در میں ہے مکیں کس طرح یار؟

عشق کی گرمی نہو جس شی میں وہ نابود ہے
برف کے ٹکڑوں کی ٹکّر سے نکلتے ہیں شرار

قلزمِ عشق اور سما جائے حبابِ عقل میں!
پا نہیں سکتا ہے مطلق کو مقید زینہار

کھینچتا ہے دل کو بڑھکر پیار سے تیرِ اعتاب
درد وہ درماں ہے جو لائے نویدِ وصلِ یار

کہ رہے ہیں کاخِ کسریٰ قصرِ قیصر کے کھنڈر
دیدۂ عبرت سے دیکھیں ہم کو اہلِ روزگار

ہم جدا ہو کر بھی اے صیاد ہیں تیرے اسیر
طائرِ قبلہ نما کس طرح ہو گا رستگار

ہر طرف سے آتی ہے آوازِ انا الموجود کی
ہم ہیں ششدر یا الٰہی راستے ہیں بے شمار

کونسی راحت تجھی کو خاص ملتی ہے یہاں
کونسی آفت نہیں پر آتی ہے اے شہریار

کیا غضب ہے پنجۂ دیوا میں حور ہے
اسمِ اعظم کا اثر ہو جلد یارب آشکار

گھر کے دریا میں پکارا تھا جسے فرعون نے
دونوں عالم کا ہے اے دہری وہی پروردگار

ہم ہیں محتاجِ وجود اور یار مشتاقِ نمود
ہے مفید چشم مطلق آفتابِ نوربار

تجھ کو کب زیبا ہے دعوائے انا البحر اے حباب
دم بخود ہو تیری ہستی کا ہوا پر ہے مدار

جانِ جاں ایمانِ ایماں معنیٔ حسن و خرد
عقل نے ہم کو بتائے ہیں یہی القابِ یار

وصل سے بھی ہجر میں بڑھکر ہے نیوٹن جذبِ عشق
تیرے قانونِ کشش کا دل نہیں ہے تبعدار

اے فلاطوں تو بھی محزوں ہے مگر مجنوں نہیں
اک قلق اس کا نہ لاکھوں تیرے عقلی انتشار

یا پیادہ ہیں سنبھل جائینگے ٹھوکر کھاکے ہم
راہ ناہموار ہے تو الحذر کر اے سوار

اے زباں تجھ کو مزاجِ دل میں کیونکر دخل ہو
ہوتے ہیں ہر وقت خود اس پر ارادے آشکار

گر نہیں ہوتی بدی نیکی کو کب ہوتا فروغ
خال و خط چمکاتے ہیں زاہد یہاں نورِ عذار

قتل و غارت سے چڑھا یہ تخت پر وہ دار
کیا کرشمے ہیں ترے اے گردشِ لیل و نہار

جھڑ رہے ہیں دم بدم تارے بھی پھولوں کی طرح
لیکن اے چرخ و زمیں تم پر ہے اگلی سی بہار

گرم ہے ہنگامۂ پیکار بہرِ زندگی
ساحتِ ہستی ہے گویا عرصہ گاہِ کارزار

مجھ کو تو کیا مل گیا ساری خدائی مل گئی
تو نہیں سب ہیچ ہیں دل کھنچ گیا جب سے یار

دیدۂ عبرت سے دیکھ انجامِ مرگِ کوہ کن
تخم مل کر خاک میں لاتا ہے خسرو برگ و بار

قلبِ عادت سے ہیں ناشی عیش و غم خوف و رجا
چشمِ غائر میں ہے شہر حد سے کثرت آشکار

مولوی و فلسفی کی ساری بحثیں ہیں فضول
فطرت و قسمت حقیقت میں ہیں ایک اے ہوشیار

سفسطے پر مشتمل ہے تیرا یہ قول اے حکیم
اعتبارات جہاں کا کچھ نہیں ہے اعتبار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روز افزوں ہے زمیں پر عقلِ انساں کی بہار
زندگی میں کاش اسپنسر پہ کھلتا رازِ وحی
علم ادریسی جدا ہے علمِ تدریسی جدا
ہم کو دو کل کے شکنجے میں دبائے ہے خودی
تاجِ خلعت عشق نے رکھا ہے جس کے فرق پر
نفیٔ جسم و روح اور اثباتِ ہو خود اس میں ہے
صورتِ مکتوبی و ملفوظی اجسام و عقول
آپ کو پہچان اور آپے کو کر اپنے سے دُور
مان لے حقؔ و رسولؐ و موت و بعث و قدر کو
اعتقادِ سُنّیؔ اوسط خود ہے چاروں کی دلیل
جبریہ کا سا عقیدہ قدریہ کا سا عمل
ہے خطا ناسُنّی خودی سے ورنہ فاعل ہے حکیم
ہوں مخاطب لاتخف کا مجھ کو اے واعظ نہ چھیڑ
شیخ و استاد و پدر تینوں کا اعظم ہے لقب
نفس کُش عاشق ترا زہرِ ہلاہل پی گیا
جان ڈالی ہے ہماری زیست میں اک خواب نے
چار سیروں کیلئے درکار ہیں یہ پانچ پر
علم میرا عالَم کو کردے محو عالم میں اُسے

مقصدِ تخلیقِ احمدؐ ہو رہا ہے آشکار
ماننا پڑتا اُسے اسلام کو بے اختیار
اللہ اللہ اُمّی و اُمّ الکتاب ریگ زار
دل جو دیں ہوں اس عذابِ خوف و غم سے رستگار
اس کو جبریلِ امیں کی بھی مدد لینا ہے عار
ذکرِ اسمِ ذات اے عرفان طلب کر اختیار
مثلِ معنیٔ ہستیٔ مطلق ہے جن سے آشکار
ہے اسی علم و عمل پر عیشِ سرمد کا مدار
دوزخِ دارین سے ہو جائیگا تو رستگار
غور کر اس نکتۂ باریک پر اے ہوشیار
یہ ہے شانِ عبدِ جامع یہ ہے جبر و اختیار
مثلِ افعالِ خضرؑ سب جرم ہیں حکمت شعار
میری توبہ کا ہے ضامن میرا شیخ نامدار
جن کی عظمت پر مجھے اے دل ہے کیا کیا افتخار
اس کی عظمت اس کی سطوت آج تک ہے یادگار
دل کی قوت جسم کی صحت کا ہے جس پر مدار
عشق و عقل و مرشد و اسلام و فضلِ کردگار
دو قدم میں دونوں عالم سے اگر ہونا ہے پار

جو ترا عالم نہیں معلوم اس کو کچھ نہیں
تھے عصا و خامہ چوبِ خشک اے دریائے نیل
کیسے موزوں کیسے معنی خیز کیسے پُر اثر
آنکھ جھپکی عرصۂ کون و مکاں طی ہو گیا
عشق دل کے واسطے اور سنکھیا بہرِ بدن
باعثِ طولِ امل ہے مال اور وجہِ الم
تو نے عالم کی حقیقت کھول دی اے بیسکوپ
دیکھتا ہے شب کو بھی بن کر سراپا چشم چرخ
شرم اے انسان تو مرکب ہو کلبِ نفس کا
قصۂ فرعون اور ابلیس سے ظاہر ہوا
خود شناسی کا ہے فرق انسان و حیوان میں
اُس کا مطلب ہاں لے اور قلب سے کر اس کا ذکر
عالمِ طفلی و پیری و جوانی کی طرح
یا مکاں میں یا زماں میں فرق آتا ہے ضرور
قدرت و علم و ارادہ راحتِ دنیا و دیں
شیشۂ سیمابِ دل میں خندہ و ندکاہیں سبب
گردِ ہفت قلزم صرف ہو بہرِ رقم
حال ماضی ہے کسی جا اور مستقبل کہیں
اپنے فونو سے اڈیسن کو ملا کب یہ سرور

جو ترا عابد نہیں معبود اس کے ہیں ہزار
لیکن ان سے زورِ دستِ حق ہوا تھا آشکار
شعرِ سہل و ممتنع ہیں واقعاتِ روزگار
شہپرِ جبرئیل بالِ طائرِ دل پر نثار
راس ہو تو آبِ حیواں ہے وگرنہ زہرِ مار
مشترک ہیں حرف صورت میں ہے فرق اے ہوشیار
صفحۂ علمِ ازل کا آئینہ ہے روزگار
کس قدر دلکش ہے اس دار الخلافت کی بہار
اور تیرے حکم سے ہوں شیر پر کتے سوار
کفر و طاعت پر نہیں ہے عاقبت کا انحصار
اس سے بڑھکر کیا ہے مذہب پر دلیلِ استوار
لا الٰہ کر دیگا تجھ پر سرِّ وحدت آشکار
زیست کی ہے ایک حالت موت بھی اے ہوشیار
دیکھتا ہے ایک جلوہ ایک ناظر ایک بار
اے ارسطو کیا عمل کے ہیں یہی اسباب چار
مثلِ مقیاس الحرارت گرم و سردِ روزگار
ہو نہ اک ذرّے کی بھی خاصیتوں کا انحصار
ہے مکانوں کے تبدل پر زمانوں کا مدار
مجھ پر احساں ہے ترا اے لذّتِ پیغامِ یار

کوئی مستغنی نہیں تغییر کے قانون سے — اے گلِ تر ہے گلِ خورشید بھی ناپائدار

نام کا انسان ہے وہ جس کو نہیں عقلِ معاد — عشرتی دانش ہیں نمل و نحل بھی ہیں حصہ دار

تختِ طاؤسی کے مٹ جائینگے کیونکر دل سے داغ — گرچہ اے دہلی بڑھایا جارج نے تیرا وقار

وقت ہو محسوس سورج کی گھڑی ہو یا نہو — شیشۂ ساعت ہے دل خود اور خیال اس کا غبار

اے سکندر آتشِ سیّال پر بجلی گرے — روحِ دارا جلتی ہے اصطخر بھی ہے شعلہ زار

نفسِ سمجی نے سکھائے ہیں جو انسان کو ستم — ان سے کب واقف ہیں شیر و پیل و خرس و گرگ و مار

زیست کا مقصود کیا ہے جز دعا و صبر و شکر — ہیں یہ ارواحِ ثلاثہ روح کے اے ہوشیار

قلعہ گیری ملک داری سے ہو خاطر جمع کیا — اے سکندر کر طریقِ دیو جانس اختیار

مثلِ عینک جسم و دل کے ہوں معاون عشق و عقل — سارے اخلاقی فضائل کا اسی پر ہے مدار

بخلِ لایعنی کبھی اسرافِ بے معنی کبھی — غور سے دیکھا یہی ہے اہلِ دولت کا شعار

کچھ ہوا برباد اور کچھ خاک میں رل مل گیا — نار کا گلزار تو نے کیوں کھلایا اے انار

قلب مائل روح سائل عقل قائل ہے مری — حسن و فیض و حکمتِ فطرت پہ ہوں جی سے نثار

جسمِ فانی میں ہے ساری روحِ مطلق اس طرح — سیلِ جاری میں ہو جیسے عکسِ مہرِ نور بار

دینِ فطرت پر اسے ایمان لانا سہل ہے — مانتا ہے موت کو جو بعد غور اے ہوشیار

نقشِ باطل ہستیٔ وہمی کا جب مٹنے لگا — چھا گیا حق دیدۂ حق بیں پہ وقتِ احتضار

حضرتِ آدمؑ پہ اے موسیٰؑ کیا کیوں اعتراض — کیا کرے وہ جس کے دل پر ہو کسی کا اختیار

فطرتِ انسان کا اصلی جزو حبِّ نفس ہے — کُل فضائل کُل رذائل کا اسی پر ہے مدار

اس کے احساں کے قلادوں پر قناعت چاہیئے — کیا خری ہے حرصِ عرفاں و سگانِ کوئے یار

حاتم و قارون نے افراط اور تفریط کی — دینِ قیّم نے کیا قائم سخاوت کا مدار

ایک حالت میں گزر سکتا نہیں دن بھر یہاں
ابلہ و نادار ہے ہر ہوشیار و مال دار

نشۂ حریت کا ہو افیون سے پیدا العجب
چین میں لایا ریپلک انقلابِ روزگار

سیر کرنا ہو تو انواعِ جنوں کی سیر کر
عقل کے اقسام کم ہیں اور جنوں کے بے شمار

خانۂ آئینۂ دل بن کے جب کامل ہوا
جلوہ گر کس شان سے اس میں ہوئی تصویرِ یار

سب سے بڑھکر عشق بھی حیوانِ ناطق کو مِلا
عشق کو کہنا جنوں دیوانگی کا ہے شعار

گو بظاہر مختلف ہیں فی الحقیقت ایک ہیں
شبنم و باراں و برف و ژالہ و ابر و بخار

یہ سعادت مشتری کے بھی مقدر میں نہ تھی
اے زمیں تجھ کو خلیفے نے لگائے چاند چار

تیرے ایواں کو سمجھتا ہے وہ اپنا آشیاں
ہے کبوتر بھی برابر کا شریک اے شہریار

ایک پل میں ہم پہ گذرے مدتوں کے واقعات
خواب ہے جسمِ مثالی پر دلیلِ استوار

توبہ وا و بہ سے بن جاتی ہیں بدیاں نیکیاں
خیر ہی ہے خیر ہی گر ہو حقیقت آشکار

ہمتِ مردانۂ ممکن کی وہ معراج ہے۔
ہے فقیری بھی خدائی کا ظہور اے ہوشیار

فرق رخصت اور عزیمت کا ہے ان کے درمیاں
اختلافاتِ ائمہ کا ہے رحمت پر مدار

غور کر عشق و ہوس کی ہے حقیقت مختلف
بلعمِ باعور و موسیٰؑ میں ہے فرقِ نور و نار

سنگِ صبر و تیغ کبر اے عشق پگلے مثلِ شمع
بوتۂ دل ہے حریفِ آتشِ دوزخ شرار

خود کشی ہر وقت ممکن ہے کبھی جائز نہیں
کیا اسی کا نام شرِ محض ہے اے ہوشیار

خاک ڈال اکسیر پر اے جوگی صحرا نشیں
ہم کو پانی چاہئے آئی ہے لب پر جانِ زار

سُلمی برہان ہے بے شک سفسطہ اے فلسفی
انتہا طولِ شبِ غم کی نہیں ہے زینہار

اس سے بہتر گو بہت سی لذتیں ہیں دل نواز
لذتِ انزال ہی پر نسل کا ہے انحصار

ہم معانی ڈالتے ہیں جبر سے اصوات میں
اور کل اصوات کا گوش و ہوا پر ہے مدار

نادر میرا یہ ہلا وہ آنکھ پھر جھپکی تری
دیکھ اے قدری کہ تو ہے کس قدر بے اختیار

حسن و نیکی زور و زر علم و عمل بیکار ہیں
گر نہیں مقصود قسمت میں تری اے خواستگار

وحی نے اس کو سکھائے ہیں ریاضی کے اصول
نحل سے بھی ہستیٔ روح القدس ہے آشکار

ازدیادِ علم ہے افراطِ جہل اے فلسفی
جو غنی تر ہیں وہ ہیں محتاج تر اے شہریار

حسن اس کو اور نیکی اس کو دیتی ہے فروغ
جسم صحت پر ہے عاشق جان ایماں پر نثار

آدمی کو صبر دیتا ہے جہنم سے نجات
فائزِ فردوس کر دیتا ہے شکرِ کردگار

خودکشی سے بڑھکے دنیا میں نہیں لعنت کوئی
قابلِ عبرت ہے محسن کُش یہودا کا مزار

سارے نطقوں پر مسلّم ہے عمل با حول کا
حسنِ ظن ہی پر ہے لے دے کر شرافت کا مدار

قدرت و علم و مسرت میں اضافہ ہو گیا
مل گیا سالک کو حسبِ ظرف فیضِ وصلِ یار

وقتِ واحد میں دو ناظر اک جگہ کیونکر ہوں جمع
کثرتِ اشکال ہے ہر ایک شی سے آشکار

تیری صحت کے لئے کیا کیا ہوا ہے اہتمام
حکمت و رحمت بھری ہے شہد میں اے ہوشیار

اس کو کیا مطلب فقیروں سے غنی سے کیا غرض
جو ہے کامل اس کو اپنے فقر پر ہے افتخار

ہے تماشا دیدنی پیرانِ نابالغ نظر
ایک لعبت پر ہیں بتخانے میں سو جاں سے نثار

سود کا طالب ہے تو اے محرمِ اسرارِ دیں
اور عمل سے ہم کو ہے مقصود پاسِ حکمِ یار

جس طرح اکسیر کی بوٹی ہے جنگل میں نہاں
وارداتِ قلب میں مخفی ہے سرِّ کردگار

نام لاعلمی کا رکھ لیتے ہیں بخت و اتفاق
ہم پہ جب آتے نہیں اسرارِ قدرت آشکار

سر جھکاتا ہے اشاروں پر ترے اے عشقِ دل
عقل کے فتووں کی کچھ پروا نہیں ہے زینہار

حضرتِ یوسفؑ بھلا لغزش سے بچتے کس طرح
بت جو ہوتا غیرِ ہادی غور کر اے ہوشیار

بندۂ حرص و ہوا کو علم سے کیا فائدہ
ذلتِ مسکین سے ہے سقراط کیوں شرمسار

دیکھ غافل غور سے وارفتگانِ حق کا جوش
ذہن ہے نقاش مغزِ سر ہے مثلِ موقلم
چشمِ غائر میں دوا اہوں بلا ہے اے طبیب
کلک و دست و قلب کاتب باعثِ حرکت نہیں
کلبِ صحرائی وفاداری کہاں سے لا سکے
صنعتِ حق خردبیں و دوربیں سے دیکھ تو
ایک کو یہ مانتا ہے ایک کو وہ چاہتا
خود اجل میری محافظ ہے تو پھر کس کا ہے ڈر
ارتقا باطل مذاہب کو مٹا سکتا نہیں
ہے مکاں یا پردۂ نیرنگِ فانوسِ خیال
عازمِ بحری سفر مثلِ کولمبس ہم بھی ہیں
ایک کا دکھ دوسرے کے سکھ کا باعث ہے یہاں
آسماں کو دیکھنا پھر وں نہیں ہوتا نصیب
خوش شناسوں کا ہیں صدقہ منکروں کی خوبیاں
رکھتے تھے تعویذِ مقناطیس جوہر اماں
پستیٔ دہری کہاں اور مستیٔ صوفی کہاں
جو سبق تو نے دیا ہے جلد بھولیگا نہیں
کشتگانِ عشق کی کیا جان ہے کیا شان ہے
کیا ہے معیارِ صداقت غیرِ عشق اے منطقی

مثلِ شعلہ رقص کرتے ہیں میانِ شعلہ زار
ذہن سازندہ ہے مغزِ سر ہے مانندِ ستار
تیری اٹکل پر نہیں انسان کی صحت کا مدار
چشمِ ظاہر بیں پہ لیکن حق نہیں ہے آشکار
ہو نہیں سکتا ہے دہری کامل انساں زینہار
ہم ہیں بینا اے طبیبی ہم کو عینک سے ہے عار
تیری وحدت پر دماغ و دل سے دو شاہد ہیں یار
چھاؤں ہیں تیغوں کی سو جاتا ہوں وقتِ کارزار
آدمی کے ساتھ ہیں موجود سایے جان دار
جس پہ نورِ ذات سے علمی صور ہیں آشکار
دیکھیے نادان ثابت ہوتے ہیں یا ہوشیار
اس اصولِ مختصر پر ہے تمدّن کا مدار
اے زمیں مشغول رکھتی ہے ہمیں تیری بہار
صحبتِ نیکاں نہیں خالی اثر سے زینہار
ہو گئے اوّل وہی ایوانِ بجلی کا شکار
سن انا القصرِ و انا الحق میں ہے فرقِ نور و نار
گرچہ ہے اے جرمنی انسان بڑا غفلت شعار
سیکڑوں بندوں کی روزی کا ہے ضامن امرِ زار
ہے اسی پر عشرتِ موجود و مرجو کا مدار

جو مصیبت آئے اس کو حکمت و رحمت سمجھ　　نشترِ فصّاد ہو یا سیلئ آموزگار

شوق و دردِ زہ کا باعث تھا نتیجہ ہے سروؔ　　بیچ میں دو یسر کے اک عسر ہے اے ہوشیار

دل سے دل ملتا نہیں پیدا ہوے گو ایک ساتھ　　حالتِ اطفالِ توام سے ہوا یہ آشکار

قصۂ شاپور و قیصر خواب آور ہو گیا　　نشۂ غفلت کا ہے اللہ کیا کافر خمار

صحت و دولت اگر اکسیر نے دی کیا ہوا　　ہم کو یا رب فقر کی دے دے شرابِ خوش گوار

ہے شجر اچھا تو غالب ہے ثمر بھی خوب ہو　　اے حیاتِ طیبہ تو ہے مآلِ وصلِ یار

آپ کو کھوتا ہے کوئی اور سوتا ہے کوئی　　بے خودی پر طالعِ خوابِ زلیخا ہے نثار

صورتِ گل میں نمایش ہے جہانِ رنگ کی　　دم بدم ہے تو بنو یاں عکسِ ہما کی بہار

بدھ کہیں نادر کہیں حاتم کہیں قارون کہیں　　کیا کرشمے ہیں ودیعت تجھ میں اے مشتِ غبار

مرتسم ہو جاتی ہے پردے پہ جب نغمے کی شکل　　وردِ نامِ حق سے دل پر کیوں نہو نقش و نگار

عالمِ باقی ہو کیونکر عالمِ کون و فساد　　اس کو اپنے ساتھ لائے ہیں حواس مستعار

اپنے اپنے فعل پر ہو فاسق و مشرک کو جزم　　قیل و قالِ میکدہ ساقی! اگر ہو آشکار

وصل ممکن ہی نہیں جب تک نہو حاصل رضا　　دل سے طالب دور کر دے آرزوئے وصلِ یار

خواب شیریں خود ہے اے نائم ترا محسوس فعل　　دور ہو سکتا نہیں اور اک ہم سے زینہار

جب تصور خود فنائے روح کا ممکن نہیں　　ہے بقا واجب مری از روئے عقلِ پختہ کار

گو بصیرت اور بصر ساری ہیں سارے جسم میں　　چشمِ بینا و دلِ دانا سے ہیں وہ آشکار

مال پر کرتا ہے کیوں ایمان کو قرباں اے حریص　　اس سے بہتر ہے کہ کر لے دینِ زردشت اختیار

جان پر جو جی فدا کرتے ہیں وہ جو کھم میں ہیں　　عاشقانِ جاں جاں ہیں خوف و غم سے رستگار

جملہ انس و جن کی دانش لغو قدرت ہیچ ہے　　گر نہو اے عشق تجھ پر زندگانی کا مدار

مژدہ وجد انگیز وجانِ عاشقاں ہے سجدہ ریز — ہے لدوا للموت وابنوا للخراب ارشادِ یار

ایک بازی گر نے سب کو محوِ حیرت کر دیا — بزم میں گو جمع تھے اہلِ نظر بھی بے شمار

منکرِ ہستئ واجب کو بھی مانا ہے حکیم — اللہ اللہ بے تمیزی ہائے اہلِ روزگار

صوفئ خلوت نشیں کا فیض تجھ سے کم نہیں — اے مدرّس ہیں تخیّل کے بھی آثار آشکار

جسم کے درجے میں حبت ہو بے خودی وہ نیند ہے — روح کے درجے میں گر ہو کشف ہے اے ہوشیار

ترکِ دنیا ترکِ عقبیٰ ترکِ مولا ترکِ ترک — یاد رکھ اے شیخ یہ ہے فقرِ کامل کا شعار

تارکِ لذات ہے تو اے بخیلِ نفس کش — گر نہ ہوتا بخل تو ہوتا حبیبِ کردگار

کس قدر ہے جامعِ اضداد ارادہ اے حکیم — کاہ سے کم زور گا ہے کوہ سے بھی استوار

منکشف ہوتی ہے وحدت سالکوں پر بیش و کم — امتدادِ حال پر بھی قربِ حق کا ہے مدار

کل جو جلوہ تھا زمیں پر آج ظاہر ہے کہیں — پھر کہیں اس کو کرے گی روشنی کل آشکار

آدمی کو کس قدر تسخیرِ فطرت پر ہے ناز — اور نہیں دورانِ خوں محسوس و زیرِ اختیار

میکس مُلر! لفظ و معنی میں ہے آخر کچھ تو فرق — کرِ مادر زاد کو دیکھا نہیں کیا زینہار؟

رہ گئی دونوں میں بس اک آنچ کی باقی کسر — گو ہیں منصور و کرشنا کشتگانِ عشقِ یار

ربِّ اعلیٰ! تیرے آمنتُ پہ ہے وہ خندہ زن — ہو گیا جس کے انا سے حقِّ ہادی آشکار

دل میں پنہاں ہے خیال اور آشکارا حال و قال — جڑ ہے پوشیدہ زمیں میں اور ظاہر برگ و بار

ساری دنیا کی حکومت بس مسلّم ہے اُوسے — جس کو اے ولیم ہو اپنے جسم و دل پر اختیار

جُرمِ آدم کی بنا شہوت پہ تھی بخشا گیا — لیکن ابلیسی گنہ کا تھا تکبر پر مدار

کیمیا گر اور قانع ہیں یہی دو سیر چشم — ایک وحشت خو ہے ان میں ایک اطمینان شعار

جب ترقی کی نہ ہو خواہش تو پھر کیا چاہیے — ہے رضا سے کون سا بہتر مقام اے ہوشیار

محبِّ دنیا ترکِ دنیا دونوں ہیں کمزوریاں
اے کنول! کرتے ہیں ہم تیرا طریقہ اختیار

عالمِ موجود نا محدود ہے اے فلسفی!
عالمِ محسوس بھی کس پر ہے کامل آشکار

ہر زماں میں ہے مکاں اور ہر مکاں میں ہے زماں
دونوں پردے وحدت و کثرت کے ہیں آئینہ دار

عالمِ غیب و شہادت دونوں ہیں بے انتہا
ہے بصر پر اس کا اور اُس کا بصیرت پر مدار

کہکشاں کی سیر کرتے ہیں خیاباں کی طرح
دیدۂ باطن کو جن کے کھولتا ہے حُسنِ یار

لاکھ تو کوشش کرے معدوم تو ہوگا نہیں
ہاں فضا میں منتشر ہو جائیگا میرا غبار

گہ عمل مبنی ریا پر ہے گہے ترکِ عمل
نفس کے فتنوں سے بچنا ہے کمالِ عشقِ یار

بعدِ مردن جب ہوا کشفِ غطا سمجھے یہ ہم
بطنِ مادر کی طرح دنیا بھی تھی تاریک و تار

طاعمِ شاکر غنی ہے صائمِ صابر ہیں ہم
ایک ہی شئی پر نہیں انعامِ حق کا انحصار

کیا تعجب ہوں اگر سب عالمِ اصغر میں بھی
جتنے عنصر عالمِ اکبر میں ہیں اے ہوشیار

جشنِ جم سے بھی تو دل انساں کا ہو جاتا ہے سرد
کھینچتی ہے نیند باطن کی طرف انجامِ کار

آتشِ حرص و حسد کیا قہر ہے اے جرمنی!
جنت الکافر تھا یو ربّ بنا دار البوار

جامِ کیخسرو میں کاش اس کو بھی آجاتی نظر
زالِ دنیا کو سکندر بھی کبھی کرتا نہ پیار

نورِ نفسِ ناطقہ کی ارض ہی پر ہے جھلک
بس اسی کی وجہ سے اس خاکداں پر ہے بہار

ہر عمل میں ہے بقدرِ قوتِ ہمّت اثر
ہاتھ جتنا صاف ہے اتنا کڑا خنجر کا وار

غور کر خفاش طینت دل ہے اے دہری ترا
دیکھتا ہے شب کو گاہے تو بھی کچھ انوارِ یار

کیا ملا پائے گئے جز توہم اگر اے خرد بیں
فنِّ طب کا دیدۂ باطن سے دیکھ انجامِ کار

رحم و علم و حکمت و قدرت میں جو بے مثل ہے
اس کے بندے کیوں نہ ہونگے خوف و غم سے رستگار

ثابتے سب مستضی ہیں تجھ سے اے شمس الشموس
جس طرح خورشید کے پرتو سے ذرّے نوربار

مس جگہ لے لے طلا کی اور طلا مس کی جگہ — فائدہ کیا کیمیا کا راز گر ہو آشکار

غور کر ہے ممتنع بالذات ادراکِ عدم — شیٔ آخر ہے عدم ادراک کا اے ہوشیار

غیرتِ چنگ و رباب و بربط و طنبور و عود — عندلیب و قمری و درّاج و موسیقار و سار

ارض ہی کے واسطے ہے نورِ روح و سوزِ عشق — آبِ خضر و آتشِ موسیٰ ہیں ان کے رازدار

عالمِ طبعی ہے حرکت عالمِ نفسی خیال — ترجماں ہے درمیاں ان کے دماغِ ہوشیار

ترکِ خواہش بھی ہے مانندِ فطامِ طفلِ دل — تلخیاں ہیں عارضی اور لذتیں ہیں پائدار

کیا نہیں رشکِ امیرِ شام درویشِ قرن — عشق کی گرمی کا قرب و بُعد پر کب ہے مدار

خود مرض ہیں گو ہیں اخلاقِ ذمیمہ کا علاج — ہرگز اے زاہد نہ کر بخل و تکبر اختیار

لازم و ملزوم مطلق اور مقید ہیں بہم — کھل گئی مجھ پر حقیقت کھل گیا جب اعتبار

خوابِ شیریں کے مزے ناداں کی قسمت میں ہیں — گم ہے تحقیقاتِ تدبینات ہی میں ہوشیار

جانے کیا تو سارے اسباب و علامات اے طبیب — دیکھ اسی دارو سے اب جاتا نہیں ہے یہ بخار

جیمس کا دعویٰ صداقت پر ہو مبنی یا نہو — عاشقوں کو سب سے بڑھکر ہے یقینِ حسنِ یار

دور کیا کیسا تسلسل اول و آخر ہے وہ — دائرے کی ابتدا پر انتہا کا ہے مدار

جذبۂ بے اختیارِ شوق اس کا زر سے پوچھ — صورتِ سیماب گو تو بھی ہے اے دل بے قرار

اہرمن کی کیا ضرورت ہے بدی کے واسطے — باعثِ سایہ نہیں کیا آفتابِ نوربار

فلسفہ اور سینس شغلِ فرصت و تفریح ہے — زندگی کے درد کا درماں نہیں جز عشقِ یار

کیوں نہو فخرِ سلیمانؑ غیرتِ یوسفؑ مسیح — فقر ہے جاہ و خرد حسن و نسب کا افتخار

اختیاری موت اے انساں اسی کا ہے علاج — علمِ موتِ اضطراری گر ہے وجہِ اضطرار

موت کر دیتی ہے تحدیدِ بصر کشفِ غطا — خوابِ مقناطیس ہے اس پر دلیلِ استوار

جسمِ انساں ملک ہے، جاسوس و خادم ہیں حواس
روح کو کہئے اگر سلطان دل ہے پیش کار

ہم نے اپنے آپ کو دیکھا ہوئی جب بے خودی
یہ تماشا نیند میں دیکھا نہیں تھا زینہار

آلِ خالدؓ کی حمیّت کا گلہ ہے بے محل
مصلحت کب تھی کہ ہوتا رازِ برزخ آشکار

نفسِ لوّامہ کا منکر کوئی کیونکر ہو سکے
گوشِ دل میں آتی ہے آوازِ حق لیل و نہار

جتنے ہیں امراض ان کے واسطے ٹیکے بھی ہیں
ہیں ضروری سب کے سب کیڑے ہیں جتنے زہر دار

کلکِ قدرت کی ہیں حیرت آفریں نیرنگیاں
بیضۂ طاؤس میں پنہاں ہیں سو نقش و نگار

ظاہری حالت پہ کل قاروں کے جو کرتے تھے رشک
آج اپنے حال پر کرتے ہیں شکرِ کردگار

نقص پایا فیصلے میں باپ کے اصلاح دی
تھے سلیمانؑ مجتہد تقلید سے تھا ان کو عار

جسم میں قوّت نہاں قوت میں پنہاں علم ہے
علم میں مخفی انا ہے اور انا میں ذاتِ یار

جتنے ممکن ہیں تصور سب پہ ہے وحدت محیط
سارے تصدیقاتِ قلبی کا اسی پر ہے مدار

فلسفی شاعر منجّم اور مورّخ ہی تو ہیں
سب سے بڑھکر جن پہ ہیں اسرارِ قدرت آشکار

ہے خرِ عیسیٰؑ خر اور سگ ہے سگِ اصحابِ کہف
فیضِ صحبت کو ہے استعداد شرط اے ہوشیار

بولہب بن جائے دل بوجہل بن جائے دماغ
کچھ رسولِ عشق کو پروا نہیں ہے زینہار

قوتِ بازو سے ساحل پر عمل کے کام لے
علم کا دریا ہے طوفاں خیز و ناپیدا کنار

روح کامل کو بھلا اعصاب کی کیا احتیاج
برق جب پہنچاتی ہے پیغام بے تائیدِ تار

مال پر ہیں منحصر دو رکنِ دیں صحت پہ دو
دیکھ شانِ عقل پانچوں کا اسی پر ہے مدار

اس کو اے کنعانِ ناداں دیگا پتھر کیا پناہ
چھوڑ کر انسانِ کامل کو جو کرتا ہے فرار

یہ سمجھ لے شانِ ستّاری ہے ہر مقتول میں
آخرش ہوتا ہے قاتل شحنۂ دل کا شکار

اے مقنّن واہ واہ اقدام پر اس کے سزا
قیدِ ہستی سے بھی جس کا مرتکب ہے رستگار

دسوسے میں شان ہے سب کو کبِ دُم دار کی
راہِ سالک میں ہیں آنے والے ایسے بے شمار

کوچہ گردیٔ دمشقِ عشق سے ظاہر ہوا
گنجِ مخفی رہتمن دل ہی میں تھا اے ہوشیار

شیرِ نر کا دودھ کوئی ہضم کر سکتا نہیں
بوالہوس کو پچ نہیں سکتی شرابِ عشقِ یار

رقص تھا طاؤس کا یا تھی نمائش حسن کی
رقصِ صوفی رقصِ ملا میں ہے فرقِ نور و نار

ملتی ہے شاہی بھی ظنِّ از دیادِ علم پر
ورنہ کیا حق اکبر اولاد کو اے ہوشیار

فقر کا باطن غنا ہے اور ظاہر ہے عنا
فی الحقیقت افتقار اے دل ہے وجہِ افتخار

صورتِ آبِ بقا ظلمت میں پنہاں تھے بلالؓ
گرچہ ماہِ نیم مہ تھے یوسفؑ عالی تبار

تجھ سے بہتر ہے کہیں آتش پرست آزر پرست
ایک مطلوب اس کا اور معبود تیرے بے شمار

خردبیں سے خاک میں گل کی نزاکت مل گئی
حسن کو تو چشمِ غائر سے نہ دیکھ اے ہوشیار

ہرچہ بادا باد ہے آغازِ درسِ عاشقی
کام رکھتا ہی نہیں لیت و لعل سے مردِ کار

ہو فنا فی القوم اور دنیا میں حاصل کر عروج
ہو فنا فی اللہ اور دارین میں ہو بختیار

گوشِ لذت یابِ صوتِ سرمدی کے واسطے
تیرے نغموں کی نہیں حاجت نکیسا زینہار

ہیں سلاطیں بھی دنیّ الطبع مانندِ سپاہ
پنجۂ شاہین میں بھی دیکھی گرفتِ سوسمار

کوئی سنگِ باغضِ النخل کا بھی جاذب ہے یہاں
گر نہو الفت عداوت کس طرح ہو آشکار

دل کو جسکا عشق کا ہے نفع لیکر کیا کریں
کیجیے شکلِ عروسی نقشِ دل کش پر نثار

زندگی بے فکر ہو اور موت بے آزار ہو
اس پرائے دہر ہی نہیں قانع مرا دل زینہار

ضعفِ اوّل ضعفِ آخر سنّتِ انساں ہے کیا
قوتِ بازو پہ اتراتا ہے کیوں اسفندیار

کشف و ادراک و قیاسات و روایاتِ صحیح
بس یہی ہیں چار ماخذ علم کے اے ہوشیار

کیا کہا کیسا کہا اور کہنے والا کون تھا
ہے علی الترتیب اثر کا تینوں باتوں پر مدار

دیدہ ور دیدار جو ہے اہلِ دل تسلیم خو
دیدہ بہرِ دیدِ جاناں دل برائے نذرِ یار

ریڈیم نے ہند اور ایران کی تصدیق کی
مادے کی حالتیں اے معترض بیشک ہیں چار

نیرِ مجہولات بھی بڑھکر ہیں معلومات سے
علم پر اپنے نہ اے عالم ہو نازاں زینہار

جانِ مسلم کی بجائیں یا مسیحی زوج کی
اس کے حل پر معنیٔ ترکِ ولا کا ہے مدار

ہو نظر میں جس کے اسمائی صراطِ مستقیم
اے ملامت گر نہ ہو کیوں صلحِ کل اس کا شعار

نقطۂ واحد بنا ہے دائرہ ہے طرفہ سیر
شعلۂ جوالہ سے ہے حالِ عالم آشکار

اک سکوں درکار ہے دو حرکتوں کے درمیاں
موت برزخ ہے حیات و بعث میں اے ہوشیار

اس کو اے ہند دکھلاتے ہیں یہاں وقتِ وصال
آتشِ فرقت میں جو جلتا نہیں ہے زینہار

جاننا ممکن نہ تھا اشیا کے افعال و خواص
ہو نہ ہو ہے فنِ طب کا کشفِ کونی پر مدار

عشق کو سمجھا کئے موصل الی المطلوب ہم
پردۂ حائل تھا وہ خود یہ کھلا انجامِ کار

ہمت و رویائے صادق ہیں بڑے دو معجزے
جن سے اے منکر ہے علم و قدرتِ حق آشکار

بہرِ استقبال بڑھکر تجھ کو لیتی ہے زمیں
قطرۂ باراں ہے کیوں تو جذبِ دل سے شرمسار

علت و معلول کا کیا خاک اندازہ کریں
امرِ واحد کے ہیں اسباب و نتایج بے شمار

نقطۂ وحدت کو کہئے مرکزِ ثقلِ دو کوں
ہیں اسی سے سارے اجسام اور ارواح استوار

ہے دعا میں بھی اثر گر ہے دوا میں فائدہ
کم نہیں خاکِ شفا آبِ بقا سے زینہار

زیست کا معیار چاہے پست ہو چاہے بلند
نسبتہً یکساں رہینگے فاقہ مست و مالدار

سب کے سب عاشق بھی ہیں معشوق بھی دلال بھی
ہے نیاز و ناز و عیش و غم بقدرِ اعتبار

نسبتِ صوفی عطا ہے طبعِ موزوں کی طرح
علم و اخلاق و عبادت پر نہیں اس کا مدار

اے مشکک ہمت و محنت سے کیا ہوتا نہیں
حرکتِ قلبی بھی آجاتی ہے زیرِ اختیار

میرے ساقی اپنی بزمِ خاص سے دے ایک جام
ہر سکن ہے حبِ جاہ و حبِ انساں کا خمار

نفیٔ عالم نقصِ عرفاں ہے سن اے مجذوب سن
گو عدم ہیں علمِ حق میں تو ہیں اعیاں برقرار

مہد سے لیکر لحد تک ہم وہی ہیں بالیقیں
سارے اجزا جسم کے بدلے اگرچہ بار بار

تیرا کیا کہنا ہے اے اُمّ العلوم و بنتِ جہل
ہے تجھی پر سارے تحقیقاتِ علمی کا مدار

کوئی دل ہے کوہِ نور اور کوئی ذرّہ ریت کا
تابنہ کوئی ہے مثلِ ریڈیم کوئی شرار

ہو گیا گوہر یہ قحطِ مشتری سے بے بہا
ہم بھی پیری میں کسی کو دل نہ دینگے زینہار

ہے جدا علمِ حصولی اور حضوری علم اور
عالم و معلوم و علم اس میں ہیں ایک اے ہوشیار

کیا ریاضی کے مسائل کا ہے موجد آدمی
عقلِ کل ثابت ہے ان سے جیسے دو اور دو ہیں چار

گو بظاہر کچھ نظر آتے ہیں چھوٹے کچھ بڑے
لا انتہا ہی سلسلے اعداد کے ہیں بے شمار

مجمعِ جہّال میں واعظ کلیم اللہ ہے
خر ہیں صحرا میں ہے گویا بو علیؔ نامدار

پالسی تیری بظاہر زور ہے باطن میں زُور
شیر کے جامے میں تو روباہ ہے اے شہریار

ظاہری ہے یورپ اور جاپان کا سب طمطراق
ہم خلافت کے ہیں وارث ہم ہیں اے قطبِ مدار

آنکھ سے دیکھا ہے کس نے آنکھ کو بے واسطہ
عقل سے ہم عقل کو پہچانیں کیا اے ہوشیار

ہے یہ دیوِ نفس اے رستم نہیں دیوِ سپید
زیر کر لینا اسے آساں نہیں ہے زینہار

ترکِ جمع و طمع اے تارک نہیں کوئی کمال
منع کو بھی ترک کر گر نفس پر ہے تو سوار

جس قدر مختارِ مطلق ہے خدائے لاشریک
شاطرؔ بیکس بھی بس اتنا ہی ہے بے اختیار

اس میں اور مجھ میں ہے فرق اطلاق اور تقیید کا
جب انا الشاطرؔ ہوا گم تھا انا الحق آشکار

ہائے یہ تیرا ستم ہے یا کرم ہے اے یقیں
دیوِ سرکش سے کیا شاطرؔ کو کیوں تو نے دوچار

عاشق و دیوانہ و طفل و مہوس کی طرح
اپنی کملی میں مگن شاطرؔ بھی ہے اے شہریار

بل گیا ہنا پٹرم سے ہم کو اے شاطر ثبوت
روحِ احکامِ ازل کرتی ہے بر وقت آشکار

حرکتیں مہروں کی بامعنی ہیں شاطر کے لئے
ہے بجا عاقل کے نزدیک انقلابِ روزگار

بے نہایت ہے مکاں شاطر مؤبّد ہے زماں
ان مظاہر سے ہے بے شک شانِ ظاہر آشکار

آنکھ کا روزن نہیں شاطر بقدرِ جوشِ خوں
میرے سینے کو بھی کر دیں چاک میرے غمگسار

سیرِ دریا کیوں ہے شاطر جی میں کیا ٹھانی ہے اب
خیر ہے کم بخت ہے ہے کیا ہوا وہ اضطرار

دیکھیں اب کس پر پڑے چرخِ ستمگر کی نگاہ
ماتمِ شاطر میں ہے ساری خدائی سوگوار

ہے صف آرا اک طرف سارا جہاں بہرِ مصاف
سر بکف ہے ایک جانب شاطرِ زار و نزار

شاطرِ دوراں نے دی شاطر ہمیں آخر کو مات
جتنے منصوبے تھے اپنے اڑ گئے مثلِ غبار

نیز اشاطر ہے جہاں میں مظہرِ اعجازِ عشق
جانے دے مجنوں پہ دیوانی کو گر ہے افتخار

ہے دمِ آخر ہی شاطر حاصلِ عمرِ عزیز
عمر بھر ہر دم اسی دم کا تھا ہم کو انتظار

ہم ہیں شاطر اور ہے طوفِ حریمِ میکدہ
"رندِ عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار"

ق

اے جنوں پھر یاد آئی وہ ہوائے مرغزار
وہ ترانے طائروں کے اور وہ شورِ آبشار

وہ جو کیفیت تھی سیمابی وہ شاید تھی نہاں
مر گیا تھا دل اگر پھر کون ہے یہ بے قرار

پھر وہی ہم ہیں وہی دل ہے وہی افسونِ حسن
پھر وہی ہے مستیٔ ذوقِ حیاتِ مستعار

پھر وہی ہے گرمیٔ ہنگامۂ ناز و نیاز
پھر وہی زورِ کشاکش ہائے جبر و اختیار

پھر وہی ذوقِ غزل ہے پھر وہی شوقِ چمن
پھر وہی ہے انتظارِ آمدِ فصلِ بہار

چشم و دل پھر جامِ مے سے پاتے ہیں نور و سرور
وجد میں آوازِ نے سے آتی ہے پھر جانِ زار

بادۂ نایاب نکلا زہر کا تھا جس پہ شک
خار کا کھٹکا تھا جس گل پر گلے کا ہے وہ ہار

گرچہ ہے حسنِ دو روزہ میں بھی سحرِ سامری
نورِ چشمِ کن فکاں ہے نخلِ سینا کی بہار

روحِ خاقانی ہے اب عدو سے اپنے شرمسار
مجھ سے کہتی ہے کہ تو ہے بحرِ ناپیدا کنار

ہے تری تیغِ زباں شاطرؔ علیؑ کی ذوالفقار
اور عصائے موسوی ہے خامۂ معجز نگار

شعر کہنا سانس لینے کی طرح ہے تجھ کو سہل
شعر کے فن میں بجا تھا تجھ کو شاگردی سے عار

عبدِ رحمانؒ بھی ہے تو شاگردِ رحماںؒ بھی ہے تو
جامیٔ صوفی دعا دیتے ہیں تجھ کو بار بار

شاہِ اقلیمِ سخن ہے تو خدا کے فضل سے
تیرے آبا کابل و ایران کے بھی تھے تاج دار

عصرِ حاضر میں نہیں ہے ایک بھی تیرے سوا
نکتہ سنج مصحفِ دل رازدانِ روزگار

طائرِ سدرہ ہے تو ہے کون تیرا ہم صفیر
سجدہ کرتے ہیں ترے نغموں کو موسیقار وسار

عیسئ دوراں ہے تو روح القدس ہے تیرے ساتھ
اہلِ دنیا کی تجھے پروا نہیں ہے زینہار

ہاں کئے جا ناز اے مدراس ہے نازِ بجا
خاک سے اٹھا ہے تیری ایک فخرِ روزگار

ایک نابینا پہ کیا ناز اس کو اے یونان دیکھ
جس کے چشم و دل سے نورِ معرفت ہے آشکار

ہند کو مان اے براوننگ و ٹینیسن خیز خاک
ورنہ لا شاطرؔ سا کوئی شاعرِ حکمت شعار

پوپ کی السنان والی نظم بالکل خشک ہے
اور برڈ جس کو ہے قیدِ قافیہ بھی ناگوار

شیکسپیر سے ہے بڑھکر تجھ پہ دشمن کا اثر
تو ہے نقادِ سخن ہے رائے تیری باوقار

گولڈ اسمتھ اور ہیبرن میں ادائیں خاص ہیں
ورڈس ورتھ اور شلی طرزوں میں ہیں اپنی نامدار

چار دن میں اٹھ گئے دنیا سے دو ہر دل عزیز
شاعرِ شیوا بیاں و خسروِ عالی تبار

قدرِ شاعر کیا کرینگے مردہ دل ہیں اہلِ ہند
زندہ تو ہیں ماتمِ کپلنگ میں ہیں سوگوار

گوئٹے کی طرح ہیں مشہور ملٹن ڈیانٹی
کاش لکھتا کربلا نامہ انیسِ سحرکار

صاحبِ گیتا انجلی کا سحر تجھ پر کب چلا
آتشیں جگنو کو گو تو مانتا ہے دل شکار

اس میں کیا شک سادہ ہیں پر زور ہیں شعرِ عرب
ہند اور ایران لائیگا کہاں سے ریگزار

اہلِ ایراں کا اثر اہلِ عرب پر جب پڑا
ایک مدت تک رہی ان کے تخیّل پر بہار

علمِ باری میں تجلّی طور سے مخصوص تھی
سب رہے محروم اس سے گو جبل تھے بے شمار

یہ تخیّل اور شی ہے میری لفاظی تھی اور
میرے کل اشعار ہیں اعجاز پر تیرے نثار

تو ہے خلّاق المعانی مغزِ حکمت جانِ شعر
تیرے لے شاطر ہیں مخلوقاتِ فکری بے شمار

یہ حقائق یہ دقائق ان کی قسمت میں نہ تھے
تھے نظیری. عرفی و فیضی بھی گو حکمت شعار

انوری سلمان ظہیرِ فاریابی اور کمال
مثلِ قاآنی ہیں سب تیرے قصیدے پر نثار

گر کسی شاعر کے مضموں سے توارد ہو تجھے
صاف آئیگا نظر دونوں میں فرقِ نور و نار

کاربن لیکر بنا دیتا ہے کو وہ نور تو
قطرۂ ناچیز کو کرتا ہے درِّ شاہوار

نغمتوں کے خان حاضر ہیں صلائے عام ہے
شوق سے اب دوڑ کر آئینگے تیرے زلّہ خوار

دام میں اوروں کے آتے ہیں عصافیر ہوا
اور تیرا شاہبازِ فکر ہے عنقا شکار

دست و دل رکھتا ہے گوہر ریز و گوہر خیز تو
ابر و دریا کیوں نہوں پھر تجھ پہ سو جاں سے نثار

سانپ کا من کیا بلا ہے ریڈیم کیا چیز ہے
مہرِ تاباں کی طرح ہیں شعر تیرے نور بار

روشنی خورشید کی محدود و کیف و کم سے ہے
نورِ باطن سے ہے تیرے کہکشاں بھی شرمسار

تیرے دل سے مہر کو نسبت نہیں نسبت نہیں
تیرا دل بے داغ ہے اور وہ سراپا داغ دار

ماہِ نخشب کچھ نہ تھا بازیچۂ اطفال تھا
نورِ دل تیرا رہیگا تا قیامت برقرار

نور میں خورشید کے آئے کہاں سے جذبِ دل
ہے دلِ آگاہ تیرا کربلا کا راز دار

تیرے نغمے دے رہے ہیں صوتِ سرمد کا جواب
تیرے نالے کر رہے ہیں شورِ محشر آشکار

شعر تیرے وجد میں لاتے ہیں روح القدس کو
فضل سے قدوس کے ہے عشق پر تیرے بہار

نرم کر دیتا ہے آہن کو ترا سوز و گداز
سینۂ بریاں ہے تیرا بجلیوں کا مرغزار

طور کو بھی تیرے نغمے سن کے آجاتا ہے حال ۔۔۔ اس کے منہ سے آپ سے آپ اڑنے لگتے ہیں شرار

شعرِ تر ظاہر میں ہیں باطن میں ڈینامیٹ ہیں ۔۔۔ آتشِ سیال کا آبِ خضر ہے پردہ دار

ساکنانِ ارض ہیں نغموں سے تیرے وجد میں ۔۔۔ حاملانِ عرش ہیں نالوں سے تیرے بے قرار

تیری آنکھیں ضو فشانِ جذبِ مقناطیس دل ۔۔۔ کیا تعجب ہے اگر قطبین ہوں ان پر نثار

کل فضا میں ہے بھرا تیرے تخیل کا اثر ۔۔۔ اب خلافت گاہ میں فقر و فنا کی ہے بہار

مثلِ دریا روشنی میں بہ رہا ہے آبِ خضر ۔۔۔ پینے والے ہستیٔ جاوید سے ہیں ہم کنار

ڈھونڈھتا پھرتا تھا اسکندر اسے ظلمات میں ۔۔۔ تیرہ بختوں کو نظر آتا نہیں وہ زینہار

فلسفہ سائنیس شعر اور معرفت کا عطر ہے ۔۔۔ کارنامہ تیرا اے شاطر ہے بے شک شاہکار

آج تک دیکھی نہ تھی دنیا نے ایسی شاعری ۔۔۔ یہ نتیجہ ہے جنونِ عشق کا اے سادہ کار

شاعرِ کامل کبھی ہوتا نہیں مایہ پرست ۔۔۔ حسن کا دلدادہ ہے حسنِ ازل کا خواستگار

شاعری فیضانِ روح القدس پر ہے منحصر ۔۔۔ ایک شاعر ہے جہاں ناظم وہاں ہیں دس ہزار

سچ کہا ہے شاعری جزویست از پیغمبری ۔۔۔ روحِ قائل پر خدا کی رحمتیں ہوں بے شمار

مدحِ شاعر میں نہ کر ہرگز غلو اے کارلیل ۔۔۔ مان لے رائے نظامی حق یہ ہے اس کا مدار

گنجوی سے متفق ہیں عالمانِ آکسفورڈ ۔۔۔ یعنی اول ہیں نبی پھر شاعرِ حکمت شعار

قدر کرتے تھے رسول اللہ بھی حسان کی ۔۔۔ اس سے ہو جاتا ہے ظاہر سب پہ شاعر کا وقار

مانتے ہیں عظمتِ شاعر حکیمانِ جہاں ۔۔۔ کرتے ہیں تعظیمِ شاعر خسروانِ روزگار

کلکِ فردوسی تھا خضرِ چشمۂ آبِ بقا ۔۔۔ اس کے احساں مند ہیں سارے عجم کے تاجدار

اب کسی کو کچھ غرض ممدوحِ سعدی سے نہیں ۔۔۔ بوستانِ شیخ کی تو لوٹتے ہیں سب بہار

صدرِ امریکہ تھا مدعو جب کہا یہ جارج نے ۔۔۔ شیکسپیئر پر ہماری قوم کو ہے افتخار

ہومرِ دریوزہ گر پر تھا سکندر کو بھی ناز
گرچہ تھا وہ فاتحِ ایران شہِ عالی تبار

بجلیاں تیغِ سکندر کی ہوئیں خاکِ سیاہ
خامۂ ہومر کے گوہر آج تک ہیں نوربار

فیضی و عرفی کے اکبر شاہ بھی سہتا تھا ناز
مانتے تھے عظمتِ خسرو کو خلجی تاجدار

اُٹھ کھڑا ہوتا تھا سنجر انوری کو دیکھ کر
قدرِ شاعر کی بہت کرتے تھے شاہانِ کبار

قدرِ شاعر تھی عرب میں تھی عجم میں ہند میں
دیکھ لے یورپ میں اب شاعر پرستی کی بہار

ناز و اندازِ الزبتھ کا ہے کون اب قدرداں
شیکسپیئر کی اداؤں کو تو سب کرتے ہیں پیار

صورتِ تقویمِ پارینہ ہیں اس کے سب علوم
سکۂ اشعارِ یوناں آج تک ہے برقرار

مشرق و مغرب کا باطل ہو چکا ہے فلسفہ
سینس اب کہتا ہے مجھ پر ہے حقیقت کا مدار

فلسفہ کو اپنے لایعنی دلائل پر ہے ناز
سینس کو ہے اپنے حسّی تجربوں پر افتخار

دونوں جھوٹے مدعی ہیں کہ رہی ہے روحِ شعر
کشف سے محروم ہیں ان کا نہیں کچھ اعتبار

تیرِ مژگاں سے مرے دونوں کے چھلنی ہیں جگر
تیغِ ابرو کا کبھی اس پر کبھی اس پر ہے وار

بات میری تو ہوں میں رازدارِ حسن و عشق
دونوں عالم کے حقایق ہیں مجھی پر آشکار

لوحِ محفوظِ سخن بھی نسخ سے محفوظ ہے
مثلِ ہند و فلسفہ کے بھی جنم ہیں بے شمار

قفلِ ابجد کھولنے کی دھن میں رہتا ہے طبیب
رات دن ہے قفلِ وسواس اور حکیمِ ہرزہ کار

خواب میں خوابِ پریشاں دیکھتا ہے آئے دن
فلسفی کی ہرزہ گوئی کا نہیں کچھ اعتبار

اے فلاطوں تو بھی ہے اک بلبلا اس بحر کا
تھاہ کے اسرار کیا ہونگے کسی پر آشکار

عقل جب گم ہو گئی ہندو کا چیلا بن گیا
مان کر آواگوں کو کھو دیا تونے وقار

ابلہی جب دیکھ لی شاگرد کو شرم آ گئی
تیرے سارے فلسفے کو کر دیا مکڑی کا تار

تھیلس کچھ قصرِ رفیعِ دل کا اندازہ کیا
ناپنا کیا ان کا تھے اہرامِ مصری ستادار

تجھ کو فیثا غورس کیا ہستی نظر آتی نہیں؟
صرفِ وحدت جوہرِ اشیا نہیں ہے زینہار

یہ خوشی یہ بے خودی ہے کس لئے اے طفل خو؟
ارشمیدس کھل گیا کیا تجھ پہ رازِ روزگار؟

ہم نے مانا ہیں دلیلیں تیری بے شک لاجواب
منکرِ حرکت نہ ہوگا کوئی زینو زینہار

جانتے ہیں تیری کمزوری بھی اے سقراط ہم
تیری اخلاقی شجاعت گو ہے سب پر آشکار

مرغ اک بت پر چڑھانے کی وصیت کر گیا
عمر ساری کیا اسی توحید پر تھا اعتبار

تھا تجھے اک فاحشہ کا عشق لیکن پاک عشق
اس کے ملنے سے بنا تو فلسفیٔ نامدار

پی لیا کیوں تو نے جامِ زہر اپنے ہاتھ سے؟
خودکشی کو خودکشی سمجھا نہیں اے ہوشیار؟

اے ارسطو حق محرک ہی نہیں خالق بھی ہے
مادے سے پوچھ لے ہے مادی بے اعتبار

غور کرتے کرتے شمعِ فکرِ رازی جل بجھی
منکشف ہونے نہ پایا رازِ جبر و اختیار

ہے لقب رازی مگر ہے رازِ دیں سے بے خبر
عمر بھر تھے وہم و وسواس و شک اس کے رازدار

نام ابنِ رشد ہے لیکن نہیں آثارِ رشد
بن گیا ہے وہ ارسطو کا غلامِ زلہ خوار

جانتے ہیں سب کہ تھا کندی کا مذہب اعتزال
ہستیٔ سقراط کا اس پر اثر تھا بے شمار

قولِ فارابی سے ہے آئینہ اس کے دل کا حال
ہے فلاطوں و ارسطو ہی پر اس کو اعتبار

متفق استاد اور شاگرد ہوں جس بات پر
ہے وہ اسلامی عقائد سے بھی بڑھ کر استوار

ابنِ سینا ہستیٔ واجب کا قائل ہے مگر
مانتا ہے مادے کو وہ قدیم و پائدار

دشمنِ زن ہیں پلوٹینس. فلاطوں. سنکرا
لائے میخانے میں ظرفِ تنگ تینوں جرعہ خوار

تحتِ اقدامِ زناں فطرت بٹھاتی ہے ہمیں
اس ادائے خاص سے ہے زن کی حرمت آشکار

کیوں نہ ہو منظورِ فطرت جوہرِ صنفِ لطیف
ہے اسی پر ارتقا یعنی توالد کا مدار

زن اگر راضی نہ ہو اکال جائز ہی نہیں
حقِ تفویضِ دعسیلہ کے حکم ہیں آشکار

مان اس کا فیصلہ شاہِ رسلؐ ہے عقلِ کل
عورتوں کا نام رکھا ہے قواریر آپؐ نے
اے مسیحی یہ معمّا عقل میں آتا نہیں
خودکشی اس جان کنی کی زندگی سے ہے بھلی
کیا کرینگے ہو کے ہم قیدِ عناصر سے رہا
تجھ کو شیرِ گرسنہ کے آگے ڈالا رحم نے
کیا کمال اخلاقِ انسان کا نہو گر اعتدال
فلسفے میں تیرے ذکرِ روح و حق آتا نہیں
صاحبِ اعجاز مانا قوم نے زردشت کو
فلسفہ کا ہیکو ہے پھبتی ہے یہ اے کپلا
تیرے مفروضات ہیں یا وکرما اے رشی
ہند میں مرسل تو مرسل کوئی اسود بھی نہ تھا
بے خبر ہیں وحی اور جبرئیل سے سارے ہنود
عقل جس کی کور ہو کرما کو مانیگا وہی
تو سمجھتا ہے مصیبت کو سزا ہم امتحاں
کوئی پیغمبر نہیں آواگون کا معتقد
اے برہمن سادہ لوحی تیری کرپا پر ہے ختم
سنکرا کے فلسفے پر ہے تصوّف کا اثر
تھا موحد گو رسالت سے رہا ناآشنا

بھاگ خضرائے دمن سے نیک زن کر اختیار
استعارے میں نہاں ہیں وصف ہائے بے شمار
ایک بیوی بس ہے لیکن تین ہوں پروردگار
زہدِ نافرجام کا اے بدھ ہے کیا انجامِ کار
گر نہو ہم کو وصالِ جانِ جاں کا انتظار
ہو گئی کم زوری و کوتاہ بینی آشکار
رحم کیا کم ہے غضب سے نفس پر ہو گر سوار
بھیک لینے پر ہے اخلاقی فضائل کا مدار
گو نہیں آیا سمجھ میں اس کی فرقِ نور و نار
بن گئی دنیا ہوا اندھے پہ جب لنگڑا سوار
علمِ حق پر ہے یقیناً فرقِ اعیاں کا مدار
ہندوؤں کے دس ہیں اوتار اور رشی ہیں بے شمار
کس طرح سرِّ نبوّت ان پہ ہوگا آشکار
اس کے قائل پر ہے بے شک جہل کا شیطاں سوار
اے رشی ہے حق میں عامی کے وہ جورِ روزگار
ہندوؤں کے فلسفے کا صرف اسی پر ہے مدار
جانور ہر سانس میں تو مارتا ہے بے شمار
جاتے تھے ملبار تاجر پیشہ مسلم بار بار
اس کی قسمت میں تھا زر لیکن زرِ ناقص عیار

کچھ معمّا کچھ ہیں تاویلاتِ مہمل ڈاروں! — ایک حرفِ کُن کی تفسیریں ہوئی ہیں بے شمار

انتخابِ زوج کیا کیسا تنازع للبقا — ارتقا کی غایتِ اصلی ہے اور اے خام کار

ساری توجیہیں ہیں بارد ساری تشریحیں ہیں ہیچ — ارتقا کے تین عقدے حل نہ ہونگے زینہار

ارتقا کیا رہنمائی ہادیٔ برحق کی ہے — جس پہ ہے علمی و اخلاقی ترقی کا مدار

تو اسباب سے بنا ہے فرض کر لیتے ہیں ہم — غور کر پھر اس ترقی کا ہے کیا انجامِ کار

یاد رکھ ہے ارتقا کی شرطِ اول اندراج — تخم میں جو شے نہ ہو کیا ہو شجر سے آشکار

گر ترے آبا تھے بندر حق کو کیونکر جانتے — ہے ابھی تقلیدِ آبائی پہ تجھ کو افتخار

راگ کیونکر بن گیا اور کس غرض سے بن گیا — لے بتا اسرارِ فطرت کا ہے تو ہی رازدار!!

اپنی تحقیقات کی اچھی ملی تجھ کو سزا — ہائے ذوقِ شعر بھی جاتا رہا انجام کار

سرِّ صافی مطمئنّہ نفس اور قلبِ سلیم — ڈاروں! کیا خاک کرتی ہے یہ جوہر آشکار؟

ساعت و ساحت بھی ہیں محدود مثلِ مادّہ — جو ہیں فانی مادّی کو ہے انھیں پر اعتبار

مادّے کی کیا حقیقت ہے بتا اے مادّی — روح کے بھی یوں تو ہیں افعال و آثار آشکار

اختلافِ جذب و دفعِ ارض سے ہے بیش و کم — وزن خود فانی ہے جس پر مادّے کا ہے مدار

مادّہ اب تا قیامت سر اٹھا سکتا نہیں — بر گلے کی تیغِ استدلال کا اللہ رے وار

گر مکاں کی قید سے آزاد ہے الکٹراں — مادّے سے روح کو پھر کیا غرض لے ہوشیار

ہم فنا کیا ہونگے جب ہم نے کیا یہ فیصلہ — مادّہ ہے غیر فانی اور قوت برقرار

مادّے کی خارجی ہستی کا عنقا ہے ثبوت — ہے وجود ذہن پر اے مادّی اس کا مدار

مادّیت کا نہ دنیا میں رہے نام و نشاں — گر توجّہ اور تصوّر کے ہوں اسرار آشکار

اژدہا کافر کو مومن کو عصا آیا نظر — مادّی پر جسم اور صوفی پہ حق ہے آشکار

صبح کو کہتا ہے کچھ اور شام کو کچھ اے حکیم
تیرے تعلیلات باطل ہیں خدا کی تجھ پہ مار

جوہرِ فرد آئینہ نادانیٔ انساں کا ہے
دونوں جانب ہیں برابر کی دلیلیں بے شمار

فلسفے میں خود سفہ موجود ہے اے فلسفی
طالبِ دانش نہ مانینگے تجھے ہم زینہار

تجھ کو اے انساں مشیت میں خدا کی دخل کیا
معترض تجھ پر نہیں بندر بھی ہیں گو ہوشیار

دہری و خر میں بس اتنا ہی نظر آتا ہے فرق
حق میں دہری کے ہیں لاینحل معمے بے شمار

علمِ حق اصلی سبب ہر شی کا ہے اے فلسفی
اور مقدم واسطے ہوتے ہیں تجھ پر آشکار

تیری منطق پر نہیں چلتی ہے دنیا اے حکیم
ہے مری امید پر قائم یہ دہرِ بے مدار

شاطرِ دوراں کے منصوبوں پہ کیوں کرتا ہے غور
کر تو دے شطرنج کے نقشوں کو حل اے ہوشیار

جذبِ مقناطیس ہے کیا چیز دیوانے سے پوچھ
اے طبیعی راز یہ تجھ پر نہ ہوگا آشکار

یا تو ہے ہر جا خلا اور یا تو حرکت ہے محال
عقل جن میں گم ہے ایسے ہیں معمے بے شمار

کیوں بری ہے خودکشی اچھا ہے کیوں ایثارِ نفس
منکرِ عقبیٰ کوئی لائے دلیلِ استوار

کیا سمجھ میں آگیا انگلی کی حرکت کا سبب
عقل کو شق القمر میں کس لئے ہے انتشار

سن لیا نام حجاب اور کچھ نہ سمجھا لیپلیس
کیا ہوا اعمیٰ اگر جانے عما کو روئے یار

دل کسی کا بھول سکتا ہی نہیں عہدِ الست
تیرے انکارِ زبانی کا نہیں کچھ اعتبار

تیرے پہلو میں تھا خود لنگر گھڑی کا گیلیلیو
خارجی شی پر نظر کیوں جا پڑی اے خام کار

ٹوٹنے والے ستارے ارض پر لائے حیات
سینس کو کلوں اسی تحقیق پر ہے افتخار

دور برجیس و زحل نزدیک ہیں ناہید و تیر
کیا ہے اے نیوٹن اسی سے قدرتِ حق آشکار

زندگی کا حاصل ادراک ہے ادراکِ عجز
اس میں کیا شک ہے کہ تھا نیوٹن حکیمِ پختہ کار

بادۂ تحقیق کی آتی ہے کچھ کچھ اس سے بو
اسپنوزا کیا مرے میخانے کا تھا دُردخوار

ارتقا کی علتِ غائی سے وہ واقف نہیں ۔۔۔ آمدِ انسانِ کامل کا نہیں وہ رازدار
ہیوم! ہوتا جانور کو بھی شک اور اس شک میں شک ۔۔۔ گر حواسِ خمسہ ہی پر علم کا ہوتا مدار
کیا تجھے خود اپنی ہستی پر نہیں آتا ہے شک ۔۔۔ کوئی کر سکتا نہیں منکر کو قائل زینہار
مرضیٔ مختارِ مطلق کی علامت ہے سبب ۔۔۔ کیوں تجھے اسباب سے انکار ہے اے ہوشیار
تیرے دل میں بھی تو اتری اک شعاعِ نورِ روح ۔۔۔ مرگِ معشوقہ کا صدقہ کچھ ملا انجامِ کار
اب نہیں واللہ خوفِ تیر بارانِ شکوک ۔۔۔ مل گیا ہے ہم کو اطمینانِ کامل کا حصار
ہیوم کا کیا ذکر ریڈ و کانٹ بھی بھولے ہیں راہ ۔۔۔ کب ہوا اسرارِ وجود و علم ان پر آشکار
ہستیٔ حق پر دلیلِ منطقی لایا نہیں ۔۔۔ کانٹ کہتا ہے کہ ہے اخلاق پر اس کا مدار
عقلی و اخلاقی و جذبی ضرورت ہے خدا ۔۔۔ روح سے کانٹ اے بالفور آخر ہوئی تجھ پر نثار
قابلِ ترمیم ہے ڈیکارٹ کا یہ فیصلہ ۔۔۔ ضدِ یکدیگر ہیں جسم و ذہن مثلِ خاک و نار
لَی ڈٹکٹر ہیں کراماً کاتبین کی شان ہے ۔۔۔ اس سے روح و جسم کی توحید ہو گئی آشکار
ہائے اس کو ہے حقیقت کا گماں تغیر پر ۔۔۔ برگساں کی عقل کا ہے حیرت انگیز انتشار
اس کی ذہنیت عجائب خانۂ اضداد ہے ۔۔۔ گاہ ہے وہ پیرِ دانا گاہ طفلِ شیرخوار
وقت، دانش، حافظہ، الہامِ فطری اور خودی ۔۔۔ ان مسائل ہی پر اس کے فلسفے کا ہے مدار
اس کے پیچیدہ مباحث کا ہے یہ لبِّ لباب ۔۔۔ ہے خدا بے علم لیکن ارتقا کا ذمہ دار
ہے بدی کیا چیز اسپنسر ہے اس سے بے خبر ۔۔۔ آرزوئے خام ہے ملینیم کا انتظار
ہے حقیقت کیا؟ وہ کہتا ہے کہ ہے مجہولِ محض ۔۔۔ اس پہ نازاں بھی ہے اسپنسر حکیمِ نامدار
تجربے پر کب ہیں مبنی خود مسائل سینس کے ۔۔۔ غور کر مِل ظنِ الہامی پہ ان کا ہے مدار
تجربے سے کیا علاقہ ہے ریاضی کو بتا ۔۔۔ حدس کو رہبر بنا منطق ہے وجہِ انتشار

جانتا ہے بینش و کم ہوتی نہیں رفتارِ ارض
اب کدھر جائیگی یہ گتھی بتا اے سینس داں
حرکتیں کچھ دیکھ لیں جن کا سبب ظاہر نہ تھا
جینس جو واحد نہیں مطلق نہیں واجب نہیں
فلسفہ ہیگل کا کیا ہے گر نہیں گونگے کا خواب
بے خبر تھے شاعراں و اولیا و انبیا!!!
بہرِ اشیا ہے مکاں لازم یہ ہے نیوٹن کا قول
منطقِ مِل کے ارسطو پر بجا ہیں اعتراض
ہے مکالے جان مِل کے فلسفے پر نکتہ چیں
روشنی کے باب میں کہتے ہیں اب یہ سینس داں
غور صدیوں تک کیا جاہل کے جاہل ہی رہے
جاہلِ اسفار ہیں اس میں کسی کو شک نہیں
روشنی کیا چیز ہے اللہ کو معلوم ہے
روشنی کیا چیز ہے گر ہی ہے کیا شی مجھ سے سُن
قصرِ استدلال ہے قائم بہ سطحِ اعتقاد
ابتدا صوفی کی جہل اور انتہا حق الیقین
لازم و ملزوم ہیں توحید و تقدیر اے حکیم
کیا ہے عالم اک بڑی کل جس میں لاکھوں ہیں کلیں
سنت اللہ کو غرض کیا میکنزم کے ولولے

کو مٹ پھر کیوں ہے شبِ فرقت طلب گار زینہار
ہیں مدار الکٹرانوں کے بھی تجھ پر آشکار
سینس کو اب سنت اللہ پر نہیں ہے اعتبار
کشفِ مشرک تقید سے خالی نہیں ہے زینہار
بے سر و پائی میں دیکھی جامہ زیبی کی بہار
ہو گئی اب اس پہ توحید نقیضیں آشکار
آئنسٹائن کہتا ہے اشیا پر مکاں کا ہے مدار
سلسلہ نقد و نظر کا بھی رہیگا برقرار
عقلِ ناقص ٹھوکریں کھایا کریگی بار بار
گہ عمل اس کا ہے مثل موج گا ہے ذرہ وار
روشنی کیا چیز ہے اب تک نہ سمجھے زینہار
جہل ان کا ہے نمایاں صورتِ نصف النہار
ہو نہیں سکتے کبھی اسرارِ مکنوں آشکار
یہ جنونِ عشقِ شاطر وہ فسونِ حسنِ یار
غور کیوں کرتا نہیں اس نکتے پر اے ہوشیار
علم آغاز حکیم اور حیص بیص انجام کار
کاش یہ رازِ خفی تجھ پر بھی ہوتا آشکار
ان کے ربط و ضبط پر عقلِ حکیماں ہے نثار
نظمِ عالم میں کروڑوں ہیں فرشتے گرمِ کار

باطنی اعضا سے اپنے بے خبر ہیں جانور
ماننا اللہ کو ہے ناگزیر اے فلسفی
غور سے دیکھ اس کے احساسات و ادراکات کو
طالبِ صادق کو مل جاتی ہے راہ آئے ائے ناگاہ
تیرہ بختی دیکھ اندھا ہو گیا ہے مادّی
مادّیت کے عوض آیا ہے ذہنیت کا دور
وہ ریاضی میں ہے کامل اس پہ نازاں ہے بہت
کاشفِ سرِّ حقیقی ہے ریاضی داں فقط
ہم یہ کہتے ہیں کہ مانی اور اقلیدس ہیں ہیچ
کان ہیں صوفی کے کہ ہے کوئی جاکر راز یہ
ہاں عدد ہے ایک سو سینتیس کا فطرت پسند
لاڈج توحید آشنا ہے وہیٹ ہڈ اس کے قریب
اینسٹن خود گم ہے لیکن اس کی تحقیقات سے
لاڈج کو ہے آج بھی ایتھر پر اپنے اعتماد
مان لینگے چاروں مثلِ اینسٹن رحماں کو
فلسفہ اور سائنس کا دریوزہ گر بنتا ہے کیوں
اس جہاں میں کوئی نورِ قلب سے ہے بہرہ ور
مادّی کوئی متشکک کوئی لاادری کوئی
عاشق و معشوق و آزاد و غلام و بے خبر

مادّی پر بھی نہیں ہوتے لطائف آشکار
داخلِ فطرت ہیں جب تک پاس خوف و اضطرار
دل کی فطرت مانگتی ہے ایک حسنِ پایدار
آدمی گر آدمی ہو کیوں نہ ہو جویائے یار
کاتبِ قسمت ہے خود مرآتِ کف سے آشکار
جینس بھی رُک رُک کے کہتا ہے یہی اب بار بار
اس کا دعویٰ غور کے قابل ہے سن اے ہوشیار
شاعر و نقاش سے وہ حل نہ ہوگا زینہار"
کون کی تصویر پر شاعر کے دم سے ہے بہار
جذر پر منفی احد کے ہے ریاضی کا مدار
لیکن اڈنگٹن پہ اس کی لم نہیں ہے آشکار
جینس اور اڈنگٹن اپنے حال کے ہیں پردہ دار
اب کھٹکنے لگ گئے ہیں سائنس کے دل میں بھی خار
یعنی اس سے روح کے اسرار ہونگے آشکار
منکشف سرِّ قدر ہوگا نہ ای پیر زینہار
پوچھ لے سب حرف کن سے ہی اگئے از دار
کوئی ہے نا آشنائے حکمتِ پروردگار
کوئی منکر کوئی مشرک ہے کوئی غفلت شعار
عبد کو رب سے بھی ہیں نسبتیں اے ہوشیار

خوبرویاں ونبیاں ومرشداں ومرسلاں — صنفِ آخر ہی ہے کامل رہ نمائے عشقِ یار

سینس ناقص ہی رہیگا دین کامل ہو چکا — تجربہ اُس کا عصا یہ نورِ باطن پر سوار

ارتقائے وحی پہنچا منزلِ مقصود کو — اب قیامت تک رہیگی دینِ اُمّی پر بہار

سورۂ اخلاص وحمد وآیت الکرسی کے ساتھ — کلمۂ تجدید بھی آیا بفضلِ کردگار

سورۂ والنجم پڑھ روح القدس کو دیکھ لے — مرکزِ قوسین ہوجائیگا تجھ پر آشکار

سورۂ طٰہٰ سے ہے اعجازِ موسیقی عیاں — روح روح نغمہ ہوتی ہے مسلّم بار بار

علم کی ترغیب میں تحصیل میں ترویج میں — آیتیں بھی ہیں بہت سی اور حدیثیں بے شمار

"چین میں بھی علم ہو تو جا کے اس کو سیکھ لو" — ہے یہ وہ ارشادِ اُمّی علم جس پر ہے نثار

خونِ غازی پر بھی عالم کے سیاہی کو ہے فوق — اس خبر سے ہو رہی ہے علم کی شان آشکار

رکنِ دیں ہیں پانچ اور ان کی حفاظت کیلئے — چاہیئے تھا۔ آگیا حکمِ جہاد اے ہوشیار

مقصدِ ادنیٰ ہے حفظِ ملک و قوم و مال و زن — مقصدِ اعلیٰ ثبوتِ عشق و شوقِ وصلِ یار

مختلف صدقات کی ترغیب تشویقِ سفر — مہر و قانونِ وراثت منعِ سود و احتکار

کثرتِ ازواج جائز فرض ہیں حج و زکوٰۃ — شرع کی مفلس نوازی ہو رہی ہے آشکار

معصیت کے بدترین ارکان ہیں قتل و زنا — شرع کی اب حکمتوں پر غور کر اے ہوشیار

ہوگیا قتلِ عمد ثابت اگر ہوں دو گواہ — ہے ضروری بہرِ اثباتِ زنا شاہد ہوں چار

عورتیں شاہد زنا کی ہو نہیں سکتیں کبھی — مرد مردود الشہادت بنکے کھوتے ہیں وقار

خوں بہا کرلیں اگر مقتول کے وارث قبول — ان کو دم بھر میں بنا دیتا ہے قاتل مالدار

رجم زانی کی سزا قاتل کو اذنِ خوں بہا — مصلحت اندیشیاں ہیں دینِ کامل پر نثار

غیر محصن کے لئے سو دُرّے اور تعزیبِ عام — حق میں محصن کے بصد اکراہ حکمِ سنگسار

"گر سفر سے کوئی شب کو آئے تو گھر کو نہ جائے"

بابِ توبہ تا قیامت بند ہو سکتا نہیں

رحمتِ حق حیلہ جو ہے حیلہ جو ہے حیلہ جو

گو رضاعت کے ہیں رشتے وجہِ تحریمِ نکاح

وارثِ کافر پدر ہوتا نہیں مسلم پسر

تولیت مسجد کی ہو سکتی ہے ہندو کے سپرد

وارثوں کے حق میں لاشی ہے وصیت کا عمل

کی نبیؐ نے کھو کلی سرمایہ داری کی بِنا

شرع کا قانون کیا مبسوط کیا معقول ہے

حق پرستی آئی زائل ہو چکا ظلمِ عظیم

دین دنیا بن گیا دنیا بنی دین العجب

قبلِ بعثت سب کہا کرتے تھے امّیؐ کو امیں

شعب میں وہ مستقل تھا نام دیوانہ ہوا

معجزے دیکھے تو ساحر کا لقب اس کو دیا

اس کے چاروں نام ہیں خود اس کے دعوی کی دلیل

محو ہو جاتا وہ جب جانِ جہاں کی دید میں

مہبطِ روح الامیں تھا دل رسول اللہؐ کا

بول اس کا امِ ایمن امّ یوسف پی گئیں

کاذب و دجّال ہرگز پا نہیں سکتے فروغ

ماہرِ اسرارِ فطرت کا ہے ستّاری شعار

اس خبر پر گوہرِ اشکِ ندامت ہیں نثار

عشق کو دل میں جگہ دے عشق ہے آمرزگار

ارث پر ان کا اثر پڑتا نہیں ہے زینہار

ازدواجِ کافرہ زن بھی نہیں ہے ناگوار

کیا یہی اسلام ہے اے مفتری شمشیر بار؟

مال میں موصی کو ہے اک ثلث ہی پر اختیار

پیٹتا ہے سینہ و سر آج بھی سرمایہ دار

عقلِ امّیؐ عرب پر عقلِ کل بھی ہے نثار

مستیٔ توحید ہے کبریٰ انیّت کی بہار

وحی نازل ہوتی ہے وقتِ جماعِ رازدار

بعدِ بعثت جاہلوں نے اس کے رکھے نام چار

سن کے قرآن سمجھے جاہل شعر ہے اس کا شعار

کاہنوں میں مخبرِ صادق کو کرتے تھے شمار

کاش نادانوں پہ ہوتے ان کے اسرار آشکار

اس کا سایہ خاک پر پڑتا نہیں تھا زینہار

نور اس کا تا ابد بے شک رہیگا برقرار

ہو گیا امراضِ قلبی کا علاجِ پایدار

چار ہی دن چل سکا دیکھا چراغِ ذو الخمار

اس کی عظمت مان لی اعدا نے سن کر اس کا حال ۔۔۔ نورِ دل نجاشی و ہرقل کا تھا آئینہ دار

وفدِ نجران پنجتنؑ کو دیکھ کر تھرا گیا ۔۔۔ رعبِ حق سے منہ کو آتا تھا کلیجہ بار بار

کر دیا کچھ عذر اور اک شب کی مہلت مانگ لی ۔۔۔ صبح کو دیکھا تو کیا دیکھا مباہل تھے فرار

اک مسن بیوی پہ تھا قانع وہ تا پنجاہ سال ۔۔۔ بعد ازاں تھا کل نکاحوں کا مصالح پر مدار

ازدواجی زندگی اس کی تھی نادر معجزہ ۔۔۔ آج تک جبرئیلؑ اور عیسیٰؑ ہیں حیرت کا شکار

سن انسؓ اور زیدؓ سے کیفیتِ خُلقِ عظیم ۔۔۔ اعتدال ایسا نہیں دیکھا کسی نے زینہار

پوچھ جانی دشمنوں سے فاتحِ مکہ کا رحم ۔۔۔ قاتلِ زینبؓ سے سن تھا عفو اس کا دل شکار

اس کی فطرت پر تھے عاشق صبر و عزم و فہم و جود ۔۔۔ اس کی طینت میں تھے داخل صدق و شرم و انکسار

آسیا گردانیٔ معصومہ کی پروا نہ تھی ۔۔۔ اہلِ صفہ کا خیال آتا تھا اس کو بار بار

دولت و سرداری و اعزاز کو ٹھکرا دیا ۔۔۔ کہہ دیا عمو سے ہے تبلیغِ دیں میرا شعار

جتنے دنیا میں مصائب تھے وہ سب اس نے سہے ۔۔۔ پائے استقلال اس کا ہر جگہ تھا برقرار

انقلابِ حیرت انگیز انقلابِ خیر خیز ۔۔۔ کون لایا؟ ایک اُمی اک یتیمِ ریگ زار

ساکنانِ کرہ ہائے آسماں حیران تھے ۔۔۔ قادرِ قیوم کو کرتے تھے سجدے بار بار

آئی یہ آواز وہ اُمی نہیں بیکس نہیں ۔۔۔ ہے ہمائے علم و قدرت کا وہی گنجینہ دار

جتنے شعبے ہیں تمدن کے وہ سب ممنون ہیں ۔۔۔ اس کے ارشادات کی وسعت ہے ناپیدا کنار

حبِ سودا، شہد، چاقو، سورۂ الحمد سے ۔۔۔ کل مرض ہو جاتے ہیں زائل بشرطِ اعتبار

طائرِ وقت اس کا تھا آہستہ رو آہستہ دو ۔۔۔ کثرتِ اشغالِ بے پایاں سے تھا یہ آشکار

دین کامل ہو چکا شاہد ہیں قرآن و حدیث ۔۔۔ روحِ نفسِ ناطقہ ہے دینِ اُمی پر نثار

جاہل افلاطوں بنے ظالم بنے نوشیرواں ۔۔۔ تھے جو اجڈ بن گئے متقن اور ڈاکو شہریار

عورتوں کے حق ملے بردوں کو آزادی ملی
صرف تقویٰ عزتِ دارین کا ٹھہرا مدار

اس نے ایسا سلسلہ قائم اخوت کا کیا
جس کا استحکام دنیا میں رہیگا یادگار

زیدؓ کے بھائی بنیں جعفرؓ خدا کی شان ہے
قلبِ ماہیت ہوئی قلبِ عرب کی آشکار

دو نکاح حضرت زینبؓ کو رکھ مدِ نظر
دیکھ لے آنکھوں سے روحِ دینِ وحدت کی بہار

فوج کا سردار اسامہؓ کو نبیؐ نے کر دیا
گرچہ تھے اس میں ابوبکرؓ و عمرؓ سے نامدار

تھا قوی عہدِ اخوت مثلِ میثاقِ الست
حکم امیؐ حکمِ کن کا تھا سراسر راز دار

ابنِ عبداللہ پر اللہ کو بھی ناز ہے
کیوں نہ ہو جب ساری دنیا کا ہو وہ آموزگار

کارنامے ہیں یہ اس کے تھا جو امیؐ و یتیم
قادرِ مطلق ہے آئینے سے اس کے آشکار

حمدِ حقؒ کا حق ادا بندوں سے ہو سکتا نہیں
ہاں وہ کہہ سکتے ہیں تو احمدؐ کا ہے پروردگار

اس کے تابع جبرئیلِ عقل و اسرافیلِ عشق
ایک کو غلبہ نہیں تھا دوسرے پر زینہار

صورتِ علم انا ہے کون احمدؐ کے سوا
جملہ اعیانِ دو عالم پر رہی ہے فیض بار

غار ہی میں سیر کر لی عالمِ لاہوت کی
بعد ازاں معراجِ لاہوتی کی بھی دیکھی بہار

مظہرِ اکمل ہے وہ کوئی نہیں اس کا شریک
سیر کی جب نقطۂ وحدت کی تھا وہ ہوشیار

اس کی سیرت اس کی صورت اس کا لہجہ معجزہ
بختِ بیدارِ صحابہ پر دل و جاں ہیں نثار

اس کی سیرت کا ہے ہر پہلو نمایاں آج بھی
نورِ مخفی ہے مگر ہیں اس کے مظہر آشکار

اس کے رشکِ حسن سے جب پھٹ گیا قلبِ قمر
اپنی انگلی سے کیا اس نے علاجِ دل فگار

مان ہی جائیگا وہ ربِّ محمدؐ کو ضرور
دہری دانا اگر سیرت کو پڑھ لے آٹھ بار

اس کی امت میں ہزاروں مجتہد پیدا ہوئے
اس کی ملت میں ولی ہیں بے حساب و بے شمار

مل گیا امیؐ کو علمِ اولیں و آخریں
ہو گیا ظاہر کمالِ قدرتِ پروردگار

موت پر ایمان لانے کا مجوّز ہے وہی
سینس ور حکمت اسی ایمان کے ہیں برگ و بار

حضرتِ خاتم کا اصلی کارنامہ مجھ سے سُن
ہادمِ تعمیرِ تناسخ حلِ جبر و اختیار

ہر گدا و شاہ کے اعدا بھی ہیں احباب بھی
کچھ دنوں کے بعد ہوتے ہیں اجل کا وہ شکار

ہے حیاتِ جاودانی حصّۂ خاصانِ حق
دوست دشمن ان کے رہتے ہیں ہمیشہ برقرار

بیس نادر ہستیاں ایسی بھی اس دنیا میں ہیں
سیکڑوں دشمن ہیں جن کے اور لاکھوں جاں نثار

سہ خلیفہ سیزدہ معصوم مریم اور مسیح
اولیا کا بادشاہ اور انبیا کا تاجدار

دشمنوں کی وجہ سے ہے روز افزوں انکی شان
ان کی عظمت ہے نمایاں صورتِ نصف النہار

اب زمیں پر آسمانی ایک ہی تو ہے کتاب
کون کر سکتا ہے اِس دعوے کو رد اے ہوشیار

چیخ اُٹھا گوئٹے مسلم ہوں میں مسلم ہوں میں
حکمتِ قرآں کو سمجھا شاعرِ حکمت شعار

حکمتِ یزدانیاں کا عطر اصلی شاعری
انبساطِ قلب و روح و سِر کا جس پر ہے مدار

نغمے شاعر کے پرِ پرواز ہیں دل کے لئے
وہ دکھاتا ہے جھلک حسنِ ازل کی بار بار

شاعری میں جان پڑ جاتی ہے اس کے فیض سے
بابِ جذب و علم پر کیونکر نہوں شاعر نثار

شعر وہ ہے جس سے ہوں محظوظ گوش و مغز و دل
جانچ اس معیار سے تو شعر و شاعر کا عیار

خونِ نابِ عشق ہی سے پرورش پاتا ہے شعر
فلسفہ پرور ہے کیا جز خونِ حیض اے ہوشیار

شعر کی گرمی سے لگتی ہے دلِ زندہ میں آگ
باغ ابراہیم کی آنکھوں میں بھرتی ہے بہار

فلسفہ کوہِ ہمالہ کی طرح ہے سرد و خشک
نخلِ سینا کی تجلّی شعر سے ہے آشکار

دل نوازی جاں گدازی شعر ہی کا کام ہے
خونِ گرمِ غازیاں کا بس یہی ہے رازدار

خون سے منصور کے دیتا ہے دل کو غسل وہ
آتے ہیں نعرے انا الحق کے زباں پر بار بار

باطنِ دل میں لگا دیتا ہے وہ جس وقت آگ
پردہ ہائے حائلِ دل جلتے ہیں مثلِ چنار

دل کے خار وخس جلا دیتی ہیں جس دم بجلیاں
بعد اس کے جامِ تہو دل کو پلا دیتا ہے شعر
دیکھ لے پڑھکر مناجاتِ سکندر نامہ کو
رومی و جامی کا جاری ہی رہیگا فیضِ عام
مانتا ہے ایک خسرو ہی کو غالب ہند میں
جملہ اصنافِ سخن پر ہے کلام ان کا محیط
بیدل و جامی و غالب کے نہیں وہ قدرداں
ہے مئی چار آتشہ کا نام حافظ کی غزل
جانتے ہیں اہلِ دل کیا شی ہے بیدل کا کلام
مانیٔ اندیشہ بن جاتا ہے بت سقراط سا
یوسفستانِ تخیّل کا ہے وہ داؤد لحن
باندھنے لگتا ہے جب توحید کے مضمونِ گرام
زندہ کرتا ہے دلِ مردہ کو زہرِ مار سے
بحرِ موّاجِ حقیقت چار عنصر کا ہے نام
اک عجائب خانے کا موجد بھی ہے خاتم بھی ہے
اس کے منہ سے پھول لاکھوں جھڑتے ہیں اک آن میں
فہمِ ابنائے زماں قدر اس کی کر سکتا نہیں
ایسا شاعر پیش کر سکتی نہیں کوئی زباں
کیا ہے شعریت کوئی تعریف کر سکتا نہیں

سامنے آتی ہے نفسِ مطمئنّہ کی بہار
کیا ہے اب من تو شدم تو من شدی کی ہی پکار
حضرتِ باطن کے ہونگے تجھ پہ انوار آشکار
حاتم و کسریٰ و اسکندر بھی ہیں گو نامدار
آسماں پرواز شاعر کا صداقت ہے شعار
فیصلہ شبلی کا ہے معنی سے بے شک ہم کنار
یہ نہیں معلوم کس معیار پر تھا اعتبار
دل گداز و دل نواز و دل فشار و دل شکار
مانتے ہیں اس کو لاہوتی فضا کا لالہ زار
دیکھ لیتا ہے وہ جب گل بن بیدل کی بہار
وہ مسیحِ ہوش پرور وہ کلیمِ برق بار
سارے شعروں کی رگِ گرمِ دل سے اڑتے ہیں شرار
اس کی حکمت پر دماغ اشراقیوں کا ہے نثار
اس میں جو کودیگا بیڑا اس کا ہو جائیگا پار
اس کا ہر مصرع ہے قوسِ قزح کا جلوہ زار
جن کے رنگ و بو سے ناواقف ہیں اہلِ روزگار
ہنگ کا خواہاں نہیں لیتا کبھی مشکِ تتار
ہیں تو ہیں کرّوبیاں بھی کہتے ہیں یہ بار بار
اس کے لیتا ہے مزے ذوقِ لطیفِ بادہ خوار

بے نوا اکبر سے اکبر شاہ کو نسبت نہیں
گرچہ شاہی کارنامے بھی رہیں گے یادگار

صاحبِ جاوید نامہ زندۂ جاوید ہے
گرچہ ہے وہ آج عالمگیر و ٹیپو پر نثار

رشکِ رقاص و مغنّی معنی و لفظ اس کے ہیں
مثلِ غالب دو زبانوں میں ہے وہ بھی سحر کار

کیا ہوا اگر زر طلب تھا غالبِ آزادہ رو
ہند اور ایران دونوں پر ہے یکساں فیض بار

تھا بڑا شاعر بڑا ساحر بڑا خوددار تھا
ہے حسینی فیض سے پوتا حسن کا کامگار

درد۔ مومن۔ میر۔ محسن شوق حالی اور جلال
اپنے اپنے رنگ میں ممتاز ہیں یہ نامدار

نعتیہ دیوان امیر احمد کا وجد انگیز ہے
اللہ اللہ دیدنی ہے عشقِ احمد کی بہار

اُٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون
مصرعِ شاگرد سے ہے وصفِ استاد آشکار

جوش میں بے حد ہے جوشِ اصغر۔ جگر۔ فانی میں درد
درد کے بھی مختلف انواع ہیں اے ہوشیار

ہیں حفیظ اور بانکپن بندش کی چستی اور جلیل
نظم اور شاد اپنے اپنے رنگ میں ہیں یادگار

ہیں عزیز لکھنوی مشہور مانندِ ریاض
شاعری ہے ان کی یا شامِ اودھ کی ہے بہار

اور بھی شاعر ہیں کچھ جن کی ادائیں خاص ہیں
اختلافِ رنگ و بو سے اس چمن پر ہے نکھار

ہیں حقیقی جتنے شاعر ان کو مل جائے بقا
یہ دعا شاطر کی ہو مقبول اے پروردگار

گو گونجی ہے شہرتِ ٹیگور سے ارضی فضا
عقل جس کی لِم کو پا سکتی نہیں ہے زینہار

قدر دانِ حضرتِ بیدل ہیں دس بیس اہلِ دل
بد مذاقی کا سبب ہوتا نہیں ہے آشکار

کھل گیا یہ راز جب ہم سے عطارد نے کہا
ارض والے شعر کے فن میں ہیں طفلِ شیر خوار

اکبر و اقبال و شاطر کو سمجھ سکتے نہیں
بیدلی اسرار کو سمجھیں گے کیا وہ خام کار

رند کی تخئیل کو گیتانجلی میں دیکھ کر
رنگِ مشرق پر کیا یورپ نے اپنا دھن نثار

ہے وہ خیر الناس جو ہے نافع ابنائے جنس
بعدِ شاعر ہیں طبیباں و شہانِ روزگار

صفحۂ دنیا سے مٹ جاتے ہیں سلطان و طبیب
اور شاعر کو بقا ملتی ہے تا روزِ شمار

تھا قلم خنجر ترا تسخیرِ فطرت کے لئے
لیکن اے بیکن نہ تھا تسخیرِ دل تیرا شعار

سیب تو کھاتے تھے ہم جذب زمیں پایا نہ تھا
کاش رازِ جذبِ دل نیوٹن پہ ہوتا آشکار

واٹ کو کب یاد کرتے ہیں مسافر ریل کے
ہیملٹ کے پڑھنے والے ہیں مصنف پر نثار

میرا رتبہ اہلِ عالم کی نظر سے ہے نہاں
جلوہ گاہِ چشمۂ حیواں بھی ہے تاریک و تار

کیا گلہ قسمت کا ہیں مردہ پرست اہلِ جہاں
بعد میرے لائینگے اعجاز پر ایمان یار

زنگ کو لوہے کے مقناطیس کر دیتا ہے عشق
ایک سودائی کے دل سے نکلے نشتر بے شمار

ایک جاہل حکمتِ فطرت کے دیتا ہے سبق
صدقے اس اُمّیؐ کے جس کا ہے یہ اُمّی زلہ خوار

بارشِ انوار و اسرار و حِکم کا زور ہے
ایک الکن کر سکیگا کیونکر ان کو آشکار

جب وہ آئینگے تو کر دینگے حقایق وا شگاف
حضرتِ مہدیؑ کی آمد کا ہے اس کو انتظار

تاکجا فخر و تعلّی تاکجا لاف و گزاف
تاکجا شاطر بیانِ جورِ چرخ و روزگار

شاہ سے فریاد کر تا بندِ غم سے ہو نجات
کر ستایش شہ کی تا پیدا ہو وجہِ افتخار

شاہ کی الفت تری فطرت میں ہے قسمت میں ہے
یہ وہ دولت ہے جو طفلی سے ہے اب تک ہم کنار

تیری پہلی نظم تھی گنجِ شہیداں پر سلام
جس کے صدقے میں ملے لعلِ بدخشاں بے شمار

شاہ کی توصیف میں ایسا قصیدہ اب سُنا
مان لیں سب جس کو فردوسِ تخیّل کی بہار

قصیدہ

ماحیِ باطل ہے تیغ اس کی لسانِ ذوالفقار
حامیِ حق ہمت اس کی مثلِ جودی استوار

ہے شہِ مظلوم ایمانِ رضا جانِ ولا
وہ خدا بیں ہے فنا اس سے خدا ہے آشکار

جانِ عرفانِ علیؓ و قلب جذبِ فاطمہؓ
پیکرِ انوارِ اخلاقِ حبیبِ کردگار

اس کی ہستی سے ہیں قدرت کے عجائب جلوہ گر
اس کی ہستی سے ہے شانِ کبریائی آشکار

خون سے اپنے مٹائے قیصریت کے نقوش
سر سے اپنے توڑ ڈالا خیبریت کا حصار

نام کو بھی نقص اس کے کارنامے میں نہیں
رات دن ہے روحِ سقراط اس کے مشہد پر نثار

آج بھی ملتا ہے میخانے سے اس کے جامِ ہو
بس اسی پر ہے نجاتِ ابنِ آدم کا مدار

دل کو گرماتی ہے اب تک گرمیٔ خونِ حسینؓ
ماتمِ اہلِ عزا سے کیا نہیں یہ آشکار

اس کا نانا سیدُ الکونین ختم المرسلینؐ
اس کی نانی پر تھا نانا کو بھی اس کے افتخار

اس کی ماں ہے فخرِ مریمؑ باپ ہے رشکِ مسیحؑ
وہ پدر ہے نو اماموں کا جو تھے قطبِ مدار

اس کا بھائی ہے حسنؓ میرِ جوانانِ بہشت
جس کا پوتا غوثِ اعظمؓ اولیا کا تاج دار

جانِ لشکر کی بچائی ملک دیکر صلح کی
نزع میں بھی زوجۂ غدار کا تھا پردہ دار

باغیوں کا افترا تھا افترا تھا افترا
کیوں پسند آتا حلال ابغض اس کو بار بار

اس کی بہنیں وارثِ احوالِ معصومہؓ بتولؓ
مختصر یہ سب کے سب ہیں خاصۂ پروردگار

ہو بہو اسلام کی تصویر تھا اس کا سفیر
اس بہادر سے تھے انوارِ فراست آشکار

فتنۂ دجال میں وہ فرضِ منصب کا خیال
حضرتِ مہدی بھی اس کی لاش پر تھے اشکبار

ایک دن میں رنگ لایا اس کے معصوموں کا خون
حارثِ حارص کی بدبختی پہ ہے لعنت سوار

شہ کے لشکر کے بہادر ہمسرِ اصحابِ بدر
اس کا چھوٹا بھائی یارِ غار کا سا جاں نثار

کب کوئی میدان سے بھاگا کب ہوا کوئی اسیر
ان کو چنگیزی سے نفرت خودکشی سے ان کو عار

کف میں خنجر دل میں شوقِ وصل لب پر نامِ حق
فوجِ شہ کی یہ کرامتیں رہیں گی یادگار

واقعاتِ کربلا میں ہے قیامت کا اثر
طورِ دل سے بہنے لگتی ہے بہشتی آبشار

ایک جا تھے خضرؑ و موسیٰؑ اس اثر کا ذکر تھا
سمجھے وہ آبِ بقا یہ سمجھے برقِ نور بار

دیکھ کر ماں کا جگر حوریں بھی ششدر ہو گئیں
دو ہرے جنت کے بوٹے بن گئے جب لالہ زار

آبِ کوثر بانٹتے قاسمؑ سدھارے شوق سے
تشنگانِ کربلا کو خلد میں تھا انتظار

پھول جنت کے نچھاور کرتے تھے روتے ہوئے
ہائے دولھا ہائے دولھا کی تھی غلماں میں پکار

حوریں کہتی تھیں دولھن کی بو تو جامے میں نہیں
پھر یہ غلماں کیوں کہے جاتے ہیں دولھا بار بار

وہ جری تھا شیر صورت شیر دل عباسؑ نام
آج تک جس کی وفا جس کی وفا ہے یادگار

دیدنی تھی روحِ سعدؓ و سعدِ اکبرؓ کی تڑپ
تیغِ ابنِ سعد سے اکبرؓ ہوئے جس دم فگار

شاہ کے یوسف کو دیکھا ان کی باچھیں کھل گئیں
کہ اٹھیں حوریں ہمیں تھا آپ ہی کا انتظار

سوئے گردوں خونِ اصغرؓ کو اچھالا شاہ نے
نازِ معشوقانہ عاشق پہ غش تھا حسنِ یار

وہ ادا تھی سورۃ الحمد زبورِ یوسفی
اس ادا کی داد دیتے ہیں خلیلؑ کردگار

رزم گہ پہلے ہوئی جس کے لہو سے سرخ رو
کاش اس کے ساتھ ہوتا یہ غلامِ جاں نثار

عالمِ ارواح مضطر تھا دمِ قتلِ حسینؓ
حور و غلمان و ملایک رو رہے تھے زار زار

حضرتِ عیسیٰؑ عجب انداز سے کہنے لگے
"عاشقِ معشوق کُش معشوقِ عاشق کُش ہے یار"

آہِ گرمِ عاشق و با حور کا ہے اجتماع
لالہ زارِ عشق میں اب ہے بہار اندر بہار

عاشقِ کامل کے سجدے کی نرالی شان ہے
خوں چکاں سر خاک پر قاتل ہے گردن پر سوار

عابد و معبود کیا ہیں عاشق و معشوق ہیں
ناز ہے اس کا شعار اور ہے نیاز اس کا دثار

جان دیدی جب کہا اللہ نے دے اپنی جان
قابضِ ارواح کو وجد آ رہا تھا بار بار

انس و جن کی شکل میں حور و ملک کے بھیس میں
حشر تک تو اپنے کشتے کا رہیگا سوگوار

پہلے پس جاتا ہے دلِ عاشق کا مہندی کی طرح
خون اک معصوم کا اللہ اکبر یوں رہے
یاد ہے آدمؑ کا جنت سے نکلنا یاد ہے
چاہِ یوسفؑ یاد ہے زندانِ یوسف یاد ہے
آتشِ نمرود و رودِ نیل واژہ یاد ہیں
یونسؑ و ایوبؑ کی ساری مصیبت یاد ہے
یاد ہے وہ دعوتِ حق وہ عنادِ اہلِ شرک
یاد ہیں بدر و احد ہیں یاد احزاب و حنین
یاد ہے وہ ابتلائے جوع و خوف و نقصِ مال
عاشقوں سے بدگمانی اک ادائے ناز ہے
فضل سے تیرے اذا جاء الم نشرح ملے
چلتی پھرتی میتیں اس نے بنا دیں سیکڑوں
اکثر ان کے لب پہ تھا انا الیہ راجعون
دو جہاں کی نعمتیں ان کی نظر میں خاک تھیں
نپ کے ملتے ہیں مصائب عشق کے پیمانے سے
فرق ہے دونوں میں گو کامل ہیں مجنون و اویسؓ
گرچہ دونوں دوزخی ہیں ابن ملجم اور شمر
کاش مجھ کو بھی شہادت ملتی مانندِ حسینؓ
یاد اب آیا مجھے دنیا میں جانا ہے ضرور

طور کی چوٹی سے پھر اٹھتا ہے بن کر نالہ زار
تیری شانِ بے نیازی کب نہیں تھی آشکار
یاد ہے طوفانِ نوحؑ اور مومنوں کا انتشار
یاد ہے یعقوبؑ کا فرقت میں رونا زار زار
یاد ہے وہ شاہِ طیر و انس و جن کا افتقار
یاد ہے اک بندۂ مسکیں کے حق میں حکمِ دار
وہ مکانِ ارقم کا وہ شعب اور وہ ہجرت وہ غار
یاد ہیں صلحِ حدیبیہ کی شرطیں ناگوار
یاد ہیں فخرِ رسلؐ کے بھی مصائب بے شمار
اس ادا نے اس کے دل کو بھی ٹٹولا ایک بار
امتحانوں میں وہ جب ثابت ہوا کامل عیار
"میں نے مردوں کو اگر زندہ کیا تھا تین چار"
اہلِ بیتِ پاک کے بھی ہیں مصائب یادگار
یہ وہ پتلے خاک کے تھے جن پہ نوری ہیں نثار
کیف و کمِ عشق ہی پر ہے مدارج کا مدار
حالِ عاشق سے نہ کیوں شانِ معشوق آشکار
ایک مفتونِ ہوس ہے ایک کلبِ جیفہ خوار
کاش میرا خون بھی بنتا غازۂ رخسارِ یار
اور مہدیؑ کی مدد کرنا ہے وقتِ کارزار

کون ہے مہدی مجھے معلوم ہے
کر نہیں سکتا ابھی یہ رازِ مخفی آشکار

بولے جبرئیل "اب زمیں پر کچھ نہیں ہے میرا کام
دین پہنچا حدِ غایت کو بفضلِ کردگار

دولتِ صدیقؓ، شمشیرِ علیؓ، خونِ حسینؓ
مذہبِ کامل کو تینوں نے بنایا استوار"

عرش پر خالق سے مل کر جب گئے جنت کو شاہؒ
انبیا سب تہنیت گو تھے بچشمِ اشکبار

کان ہیں فرزند کے شاہِ دوعالم نے کہا
"پہلے دونوں امتحاں ناقص تھے گو ہیں یادگار

مقصدِ تخلیقِ آدم تو نے پورا کر دیا
عشق کی تکمیل پر نازاں ہے حسنِ پایدار

دیدِ حق میں سیدہؓ کے کل لطائف محو تھے
شاہ کی صورت میں حق ہوتا تھا ظاہر بار بار

ہوش میں لانے کی کوشش کی مگر اللہ رے جذب
کھنچ گئے سوئے ہویّت خود علیؓ بے اختیار

حضرتِ خاتمؒ ہیں ہر دم جامعِ جذب و سلوک
لکھ دیا کچھ دل پہ پھر کیا تھا علیؓ تھے ہوشیار

کربلا میں جب سوا نیزے پر آیا آفتاب
دیدہ ور سمجھے قیامت کے ہیں آثار آشکار

رہ گئے رونے رلانے کو امام الساجدینؓ
شکر کے سجدے میں تھیں صالح کی آنکھیں اشکبار

دادِ حق دی جب کہا جبریل نے سجادؒ سے
یہ مصائب ہی رہینگے تا قیامت یادگار

اس کے دل پر کربلا کے ظلم سب آئینہ تھے
حضرتِ عابدؓ کو دیکھا جس نے روتے ایک بار

چار اقراں چار منزل کی یہی ہے بددعا
دشمنانِ پنجتنؒ ہوں چار طوفاں کا شکار

ظالموں کو گالیاں دے دے کے شیطاں نے کہا
"ہیں یہی جاہل لقائے جذبِ دیں کے ذمہ دار

کاش یہ نا عاقبت اندیش ناداں جانتے
ہر محرم لائیگا خونِ شہیداں پر بہار"

صورِ اسرافیل سے آواز یہ آنے لگی
"خیر و شر کامل ہوئے اب حشر کا ہے انتظار"

اب نہ کرے تعرِ دوزخ نعرۂ ہل من مزید
ہو چکی فوجِ یزیدِ لعنتی تیرا شکار

رو کے میکائیل بولے "مجھ کو روکا شاہ نے
ورنہ کوئی پیاس سے ہرگز نہ ہوتا بے قرار"

درمیانِ عاشق و معشوق تھا جو راز تھا
وہ فرشتوں کے فرشتوں پر بھی کب تھا آشکا[ر]

شہ نے زعفر سے کہا میں ہوں خلیل ابن خلیلؑ
مجھ کو روح القدس کی تائید لینا بھی ہے عا[ر]

کربلا میں سب لطیفے شاہ پر تھے منکشف
مثلِ ماضی حال و مستقبل بھی تھا شہ پر آشکار

حرکتیں شہ کی تھیں مثلِ حرکتِ اصحابِ کہف
مثلِ خضرؑ افعالِ شہ بھی تھے بحکمِ کردگار

مارمیت کی تھی سند اور شہِ تمکین مقام
لِی مَعَ اللہ کی تھی مسجد اور وقتِ احتضار

شہ کا اذنِ جنگ تھا قربِ فرائض کا گواہ
اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی دلیلِ استوار

مر گئے لاکھوں سے لڑ کر کس لئے چند اہلِ دل
غور کر اسباب اور آثار پر اے ہوشیار

تجھ کو استدلالِ انّی کا پتا مل جائیگا
کربلا کا راز ہو جائیگا تجھ پر آشکار

اور کوئی کربلا اس کو نظر آیا نہیں
گھومتی ہے روشنی گردِ مکان لیل و نہار

زائرانِ کربلا ہیں یا طلسماتِ شگرف
خاک بر سر۔ سوز در دل۔ آہ بر لب۔ اشک بار

جانتا ہوں میں تجھے لے کربلائے کربلا
اے مری جان اے خدا کی شان میں تجھ پر نثار

شکلِ رابع سے نتیجے کا ہے استخراج سہل
منطقِ شاعر سمجھ سکتا نہیں ہر ہوشیار

شعرِ تر کچھ اور شے ہے حکمتِ خشک اور ہے
طفل کی باتوں پہ تقریرِ ارسطو ہے نثار

جس نے دیکھا غور سے شاطر کو اور اعجاز کو
جوہرِ اول کی ہستی مان لی بے اختیار

مانتی ہے اس کو اعجازِ غلامئ حسینؓ
روح غالب رشک کے دو خنجروں سے ہے فگار

تیرے حصے میں تھے شاطر یہ مضامین بلند
تیری ہستی پر عطارد کو ہے کیا کیا افتخار

شاطر اپنے مرشدوں کے فیض پر تو ناز کر
شاعری تجھ پر کریگی ناز تا روزِ شمار

احسانِ عشق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الہامِ عشق

از بہرِ جماد نشۂ ہوش ریا
حیواں کو ذوقِ شہوت و رنجِ اَذیٰ
دہری کو کمالِ یاس و تشویشِ فنا
فاسق کو عیشِ غفلت و فزع و دعا
عاشق کو وجد و حال و ارمانِ لقا
کامل کو قربِ فرض و تسلیم و رضا
خاتم کو قربِ قرب یا اَوۡ اَدۡنیٰ
اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰا کی فَتَرۡضٰی ہے ضیا
شاطرؔ کو گدیۂ درِ آلِ عبا

نامی کو حسِّ لذّت و درد نما
کھفی کو ڈر بھی ساتھ مستقبل کا
آواگونی کو حزن و خوفِ کرما
قانت کو شکر و صبر و اُمیّدِ جزا
واصل کو بیخودی و مستیٔ اَنَا
مرسل کو دو قرب اور فکر اُمّت کا
مَا زَاغَ وَمَا طَغٰی نتیجہ اُس کا
لَوۡلَاکَ کا ملزوم وَمَا اَرۡسَلۡنَا
اعجاز الہام کیا دعائے زہراؑ

حقّ ہمہ علیم حق بحق کرد ادا
اعیان ستند فارقِ مرتبہ ہا

در سنّتِ حق لَنۡ تَجِدَ تَبۡدِیۡلًا
اِس نقطہ پہ ارتقا سے جب دل پہنچا
اندیشہ بنا براقِ گردوں پیما

تصدیق یہی ہے دین و حکمت کی بنا
معراج و امانت کا سزاوار ہوا
دل نے حق و یقین (موت) کو جانا مانا

بر وقت رسول یہ بتانے آیا
معقول ہے مرجو ہے بقا بعدِ فنا
اور ڈالی سیاست و تمدّن کی بنا
اب مرکب عقل تھک گیا خوب ہوا
تجفیفِ قلم تھی صاف لاحول بنا
ہے قتلِ غلام گرچہ شَیْئًا نُکْرا
مکشوف ہوا غِطا تو مشہود ہوا

"بمثِل - قوی. علیم ہے ایک خدا
اَنْتُمْ تُجْزَوْنَ مَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا"
ڈوبا دل فکرِ مغفرت میں ڈوبا
دل رفرفِ عشق پر قلم تک پہنچا
دل اپنی خودی کو مرکزِ شر سمجھا
خضر اور وَمَا فَعَلْتُہٗ بھی ہے بجا
معقول ہے خلق اور محسوس خدا

اِشرافِ خاطر و کرامت کے سوا
پایا واصل نے عیشِ سرمد آبا!

ہوا

اوصافِ جلی سے تیرے آگاہ ہیں سب
ہے تیرے لطیف جسم میں جان کی شان
احسان ترا کس متنفس پہ نہیں
صحت کے لئے جو دم کشی کرتا ہے
آتا ہے زمین پر خلیفہ بن کر
اے ناصرِ سلطانِ رسل حامیٔ ہود
یعقوب تجھے خوش کہ لائی تو بوئے حبیب
تیرا ہُد ہُد ہوا کیا صبا رکب قاصد
گرمے بھی ہیں انعکاس سے فیض پذیر

تو رحمتِ عامِ حق ہے تو نعمتِ رب
اور جان ہے نورِ عقلِ کُل کا مرکب
روشن ہے چراغ زندگی تیرے سبب
میدان کو مانتا ہے عیسیٰ کا مطب
آدم کو پڑھا دیتی ہے کُل اسماجب
خوشنودیٔ انبیا ہے خوشنودیٔ رب
تجھے شاد سلیمان کہ نبی تو مرکب
چمکا دیا بلقیس کا جس نے کوکب
ہے نشر نور تیرا فرض منصب

زنداں میں تھی رونمائے ماہِ کنعاں
خورشید پرست سے ہے تو دادطلب

تھا خصمِ خلیلؑ کو ترا پیشہ قہر
اور ابرہہ کو تیری ابابیل غضب

نمرود کی روح کو رلانے کے لئے
تو ایروپلین کا بنی ہے مرکب

جذبِ ارضی میں بھی تصرّف ہے ترا
رابطِ نظمِ جہاں کا وہ بھی ہے سبب

دونوں کی آبرو ہے تیرے دم سے
تو بھاپ کو پر سحاب کو تو مرکب

گو مطبخِ میکائیلؑ کے خادم ہیں بہت
لیکن سب سے بڑا ہے تیرا منصب

گردوں کے ستاروں سے لڑاتے ہیں آنکھ
ہیں تیرے حباب بھی زمیں کے کوکب

ہے قوسِ قزح میں بھی نہاں تیرا ہاتھ
تو رنگِ نیلگونِ گردوں کا سبب

عالم کی حقیقت کو دکھاتی ہے تو
ورنہ تجھے کیا سراب سے ہے مطلب

پانی پہ جہازوں کو تراتی ہے تو
وہ ہیں اقوام کی ترقی کا سبب

پرویزِ ہوا پرست کو گنج دیا
بخشش تری عمر بھر رہی وجہِ طرب

بچوں کا پتنگ جب بڑھاتی ہے تو
استاد کا ظلم بھول جاتے ہیں سب

ہے تیرا دباؤ مانعِ جوششِ خوں
اور تیرا بہاؤ موجِ دریا کا سبب

پردے سے تجھے کھینچ کے باہر لایا
گستاخیٔ لامسہ ہے شاباش طلب

جب پردۂ محمل کو اڑایا تو نے
بجلی دلِ مجنوں پہ گری ہائے غضب

بجلی کے پر لگا کے لاتی ہے اسے
پیغامِ ٹیلیفون ہے حیرت کا سبب

بے تار کے پیغام کو تو ہے رہبر
پیغامِ بہار کے لئے تو مرکب

برساتی ہے جب موسمِ گل میں تو پھول
ہو جاتی ہے آپ آب خود بنتِ عنب

تو بینی و گوش سے پلاتی ہے شراب
لے غیرتِ سامری یہ افسوں ہے عجب

زاہد میں بھی پھونکتی ہے جمشید کی روح
لیتے ہیں جنون کے مزے سودائی
عاشق کے گریباں سے اگاتی ہے گل
آنکھوں میں شراب ہے تو گالوں میں شہاب
تو راگ ہے سینے میں لگاتی ہے آگ
تیرے ققنس کی موت پر مرتا ہے
بروِ اطراف قال میں ہیں کالج
کل تک تیرا چراغ ہی جلتا تھا
سن غور سے تو ہے مظہرِ محی و ممیت
جب کرتی ہے تو جہاز میں حشر بپا
جس وقت نیستاں میں لگاتی ہے آگ
پودے تجھے سجدہ کر کے بچ جاتے ہیں
تو ریگ میں زندہ دفن کر دیتی ہے
اطفال کا کھیل بھی یہی ہوتا ہے
کوسے تجھے کون لَا تَسُبُّوْا کے خلاف
ہیں صرف زمین پر ترے قدر شناس
شاطر ہے غلام پنجتنؑ کے گھر کا
پانی پر چلتی ہے تو عیسیٰؑ کی طرح
مداح کی بات مان لے بہرِ خداؑ

لاتی ہے پیامِ گل و بلبل تو جب
ہے فصلِ بہار میں تری چھیڑ غضب
ہیں یاد تجھے شعبدہ گر کے کرتب
ہے موسمِ گل میں ہر حسین سجدہ طلب
تو باعثِ وجد و حال و مستی و طرب
پوچھے کوئی تانسین سے اس کا سبب
ہے تیری شانِ سرد مہری بھی غضب
تھا وہ سبب گرمیٔ ہنگامۂ شب
یہ صور کے نفختین کا ہے مطلب
منکر بھی پکارتے ہیں یاربؑ یاربؑ
ناداں تجھے بولہب کا دیتے ہیں لقب
گرتے ہیں درخت جو ہیں محرومِ ادب
انسان ہوں یا فیل ہوں یا اہلِ عرب
کیڑوں کو وہ گاڑتے ہیں بے دخلِ غضب
کیا کر سکے کوئی خوں بہا تجھ سے طلب
تیرے بس میں ہیں یوں تو سیارے سب
وہ مدح کرے تیرا مقدر ہے عجب
اور مثلِ خضرؑ زمیں پہ بے رنج و تعب
زمزم سے نہا دھو کے مدینے جا اب

سن اس کی طرف سے سجدہ کر ستّر بار — معصومہؒ کے مرقد کو بآئینِ ادب
پھر مرقدِ عرش پایہ سے پوچھ کے آ — دفنِ شاطر بقیع میں ہوگا کب
ہیں مریمؑ صدّیقہ و جبریلؑ امیں — معصومہؒ کی تقدیس سے انگشت بہ لب
نیرہ معصوم غوثؓ پاک اور محرم (مرشدی قدس سرہٗ) — اس کی نسبت پہ ناز کرتے ہیں سب
وہ سیّدہؒ کو جان گئیں مان گئیں — ہے قلبِ سلیم عائشہؓ داد طلب
معصومہؒ مری نجات کی ہیں ضامن — معصومہؒ سے حل ہوتے ہیں عقدے مرے سب
لائی تو مژدہ اے ہوا نذر بھی لے — نادر مضموں سروش لایا ہے اب
تو نفسِ ناطقہ کی ہے روحِ رواں — تو قوتِ پروازِ تخیّل کا سبب
وابستہ ہیں تیرے دم سے سارے مذہب — ناسوتی جبرئیلؑ تیرا ہے لقب
اب ہم سے خفا ہے تیرا علاّتی بھائی — یعنی وہ خودنما بھی ہے مدح طلب
اوصاف سے اُس کے ہم کو انکار نہیں — اور مدح نہ کرنے کا ہے معقول سبب
معصومہؒ کا خاندان جہاں پیاسا تھا — کمبخت وہاں گیا نہیں ہائے غضب
کہتا ہے ”فرات میں مقیّد تھا میں — مشکوں میں بند کر کے لے جاتے تھے سب
تھا شمس و ہوا کا۔ یا زمیں کا تھا قصور — یہ میرا وکیل سنیں ہے بحث طلب“
اللہ کو ہے حقیقتِ حال کا علم — بیہودہ مباحث سے ہمیں کیا مطلب
کچھ ہو ظاہر ہے شوربختی اس کی — گو تحتِ قدرتِ مسبّب ہیں سبب

نیرنگِ عشق

کیا گرم ہے حبِّ آفلیں کا بازار — یہ میکدۂ غفلت کا ہے کیا صاعقہ زار!

میں شمس ہوں ہر برق کو یہ ہے پندار
ہر سر کے لئے ہے ایک سودا درکار
جینے پر مر رہا ہے یہ لیل و نہار
کوئی زن و فرزند کو کرتا ہے پیار
جیتا ہے یہ بہرِ انبہ و سیب و انار
کرتی ہے کسی کو مست بوئے گلزار
یہ زیور پر فدا وہ خلعت پہ نثار
سودائے زر کے دیدنی ہیں آثار
کوسوں کا سفر اس کو نہیں ہے دشوار
اِس کو شطرنج ہے توجہ کا مدار
یہ مستئ مے سے گلفشاں لالہ عذار
پاتا نہیں کوئی بے کمیٹی کے قرار
حبِّ وطن و قوم میں یہ ہے سرشار
دیوانہ ہے۔ شعرِ زلفِ خمدار
عزیٰ و منات و لات ہیں برسرِ کار
تینوں کے تینوں ہیں دوانِ خونخوار
صدیق فقط ہیں اس کے بت سے بیزار
القصّہ ہے کہ منات کُل الفت زار
ہر ذرّہ سے حسن و عشق کا ہے اظہار

ہر مست کو یہ دھن ہے کہ میں ہوں ہشیار
ہر دل کے لئے ہے ایک دلبر ناچار
وہ صحّتِ جسم کا ہے دائم بیمار
گاہک ہے کسی کے دل کا حسنِ بازار
وہ ازلیٔ حلوا و کباب و آچار
اور ہے کوئی وارفتۂ دشت و کہسار
آئینہ سا وہ دل بھی ہے کیا پُرکار
سوداگر تجھ سے کم نہیں ہو تیار
دل جس کا اچھلتا ہے برائے مضمار
اور اُس کو مراقبہ ہے مچھلی کا شکار
وہ گرمئ نئے سے سوز خوانِ موسیقار
پھرتا ہے الکشن میں کوئی مجنوں وار
اور اپنی زباں پر اسے استکبار
وہ پروانہ ہے۔ علم شمعِ رخسار
یا گرم ہے ملک و مال و زن کا بازار
سبطین و علیؑ کے غم سے سینے ہیں فگار
دَیرِ اعظم ہے سومنات پندار
مربوط اُسی سے ہیں ثوابت سیّار
دل میں ہے نظر۔ نظر میں دل اے ہشیار

خیر و شر کا بھی عشق ہی پر ہے مدار — یعنی وہی نور ہے کہیں اور کہیں نار

ابراہیمی نظر کو کر اپنا شعار — حُبِّ آفل ہے مرگِ دل آخر کار

حق کیا ہے احد اور صمد اے ہشیار — تکرار تجلّی میں نہیں ہے زنہار

ہوتا ہے کہیں وہ خوف و حرماں کا شکار — تغئیر کے قابل نہ ہو جس کا دلدار

اُس کا نہ ہو دارین میں کیوں بیڑا پار — رکھتا ہے جو دل بہ یار اور دست بکار

وہ سیرِ محیط اور وہ مرکز پہ قرار — محرم (مرشدی قدس سرہٗ) مرا پُرکار تھا مثلِ پرکار

العشق ھو اللہ ہے راس الاسرار

فرتابِ خیال

ناظم ہیں سیکڑوں ہزاروں نقّال — یہ سنگ ہیں۔ وہ عقیق و بیجادہ و لال

ہر عصر میں ہر شہر میں شاعر کا ہے کال — یہ کیوں نہ ہو جب دہر میں ہے قحطِ رجال

شاعر ہے۔ جو ہو شعور سے مالا مال — جس سے روح القدس کے ظاہر ہوں کمال

محسوس ہو جس کو نبضِ فطرت کی چال — آئینہ ہو حالِ ماضی و استقبال

ابداعِ معانی میں ہے شاعر کو کمال — شاگرد بدیع کا ہے وہ فرّخ فال

شاعر کا دم بہارِ فردوسِ جمال — شاعر کا قلم نشترِ قیفالِ خیال

شاعر کی زبان موجۂ آبِ لآل — شاعر کا بیاں حکمت و سحرِ حلال

احساس، ادراک۔ دونوں ہیں مستِ نوال — شاعر ہے نگیسا دمِ زرتشت مقال

نفعِ حکماء وعدہ بہ پیغامِ خیال — فیضِ شعراء بوسہ بہ ہنگامِ وصال

کیا خوب کہی طبیبِ شاعر کی مثال — یہ کوہِ نور ہے وہ انجن کا زغال

مفتوح اسیرِ دامِ فاتح کچھ سال — شاعر کو علی الدوام تسخیرِ رجال

شاعر کو کیمیا کے فن میں ہے کمال — شاعر کی سیمیا ہے حیرت تمثال

زورِ پرِ جبرئیلؑ ہے شاعر کا خیال — اک آن اس کی نہ نور کے لاکھوں سال

شاعر کے قلم میں فتنۂ حشر کی چال — شاعر کا نفس دمِ مسیحا کا ہمال

شاعر کا ہے قال خونِ منصور سے لال — رومیؔ کی نَے سے پوچھ شاعر کا حال

دل میں عشق اور زباں پر استدلال — ابنِ عباسؓ کے ہے جامے میں بلالؓ

شاعر کی نظر میں ہیچ ہیں مال و منال — دنیا نظر آتی ہے اسے وہم و خیال

اللہ رے شانِ ہمت و استقلال — ہوتا نہیں وہ تیغ کے آگے بھی ہلال

خودداریٔ شرک سوز ہے اس کا کمال — کیا ظلم ہے اس کو کبر سمجھیں جہال

بخل و طمع و رشک نہیں اس کے خصال — کملی اس کی ہے اطلسِ چرخ کی شال

شاعر کا شعار ہے خلوصِ اعمال — شاعر کا دثار ہے اگر صدقِ مقال

الیاسؑ و خضرؑ کا ہے شاعر ہم سال — فیضِ جاری کو اس کے کیا خوفِ زوال

شاعر کی نگاہ ہے زلیخا کا خیال — شاعر کا قلب ذرۂ طورِ جلال

تسخیرِ دل و دماغ شاعر کا کمال — ہے جدت و ذوق و نفع سے مالا مال

کرتی ہے اس کو حکمتِ حق ارسال — لاتا ہے نیا پیامِ عقلِ فعال

اردو شاعر ہیں دس بفضلِ فضال — ہیں جن میں پانچ فائزِ عرشِ کمال

اَفْعَلْ فَاعِلْ فَعِیْل فَاعِلْ اِفْعَالْ
باقی ہیں میم شین حا میم اور دال

جسم و قوت۔ حیات۔ عقل اور خدا — حیوان انسان بنا تو اُن کو جانا
اس میں ہے بحث کیا ہے اصلِ اشیا — یا مادّہ یا عقل ہے یا وجہِ خدا
مبدا نہ ہو گر حیّ و ودود و دانا — نغمہ نہ ہو نبضِ ارتقا سے پیدا
توحید میں دہری کی ہے پستیٔ غنا — توحید میں صوفی کی ہے مستیٔ غنا
خاکی کو کہاں سے ہے کہاں پہنچاتا — پیتا ہے جو خضرِ عقل یہ آبِ بقا
قطرب زدہ عقل کی دوا ہے یہ دوا — اخلاق کا مرکز ہے عمل کا ماویٰ
جب سیر ہوی ختم تو یہ بات کھلی — فانی فانی ہے اور باقی باقی

نائم اور خواب اژدہا اور عصا — قرآن و کلامِ نفسی و شمس و ضیا
جبرئیل و شکلِ دحیہ و اعرابی — جسم و جان وزن و شعر لفظ و معنیٰ
کلّی و جزئی۔ اور عرض اور جوہر — شخص و عکس اور حباب و موج و دریا
نقّاش و نقش واحد اور کل اعداد — اخلاق و دل۔ علوم اور ذہنِ رسا
آب و برف و بخار رشتہ و گرہ — تخم و شجر الفاظ و نفس ساز و صدا
یہ نسبتِ عبد و ربّ کی ہیں تمثیلیں۔ — ناقص تر ناقص اور ان سے اعلیٰ
شاطر ترکِ وجود کر کب تک قال — ہو جائیگا آشکار تو کیا وہ کیا

تھی قوتِ ضو فشاں سے معمور فضا — ذرّات اسی سے بن گئے اور ہبا
ان سے ہوی اجرامِ سماوی کی بنا — بر وقت موالید ہوئے پھر پیدا

لاکھوں صدیوں کے بعد انسان آیا
حسن و نیکی و حق کا حس بھی لایا
انسان کی پھر ہونے لگی نشو و نما
مذہب کی ہے تاریخ کرشمہ اس کا
انجام ہے ان تمام چیزوں کا فنا
یہ ہے تحقیق جس پہ یورپ ہے فدا

مرّیخ میں مشہود تھی جنت کی فضا
ادراکِ موالید تھا اعجاز نما
کی سیر بہت مگر مرا جی نہ لگا
یعنی کہیں کربلا کا پایا نہ پتا
بولا مریخ شکر کی جا شکوا
مَن یُفسِدُ وَیَسفِکُ کا یہاں دخل ہے کیا
میں نے کہا ظالم الٹی گنگا نہ بہا
قسمت میں امانت نہیں گو تو ہے بڑا
در برفِ ہمالہ شعلۂ طور کجا

کہتا ہوں کبھی خوف میں تو رب ہے مرا
گہ وجد میں ہے زباں پہ میں رب ہوں ترا
مایوس ہوا تو تیرا انکار کیا
غالب ہوئی کرپزی تو لا ادری تھا
پی لی تھوڑی سی جب تو منصور بنا
خالی ہوا خُم تو ہُو کا نعرہ مارا
کیا کیا گُن مجھ کو دے کے لیتا ہے مزا

برزخ میں یہ فرہاد سے شیریں نے کہا
دیکھا کیا رنگ خون تیرا لایا
بولا وہ توبہ توبہ بکتی ہے کیا
ہے چاکِ نامۂ رسالت کی سزا
شیریں مرجھا گئی تو دی میں نے صدا
نادان نہیں عشقِ مجازی کو بقا

اللہ کا ایک تو ہے مظہر پورا   یعنی وحدت میں ہے تعیّن تیرا
جتنے ہیں کمال سب میں تو ہے یکتا   ایسا کوئی محبوب نہ ہوگا نہ ہوا
تو جان ہے ایمان ہے تیری ہی ولا

وہ جا کے حرا سے دین فطرت لانا   وہ حکمت و فقہ کے بہانا دریا
وہ قیصر و کسریٰ کو دکھانا نیچا   کیا جانے کوئی یتیمِ اُمّی کیا تھا
جانِ عالم یہ جانِ شاطرؔ ہے فدا

وہ ناقہ سوار نورِ حق سر تا پا   وہ چادر لال وہ عمامہ کالا
وہ لاَ تَثْرِیْبَ اور وہ شکرِ خدا   ایسا فاتح کبھی کسی نے دیکھا؟
لے تیرا امیں تجھے مبارک بطحا

مجھ سا نہ کوئی بھلا نہ مجھ سا ہے بُرا   جبرئیل و عزازیل نے بھی یہ مانا
خود کش ہے خودی کش ہے کوئی میرے سوا   یا ربّ تری مخلوق میں ہوں بے ہمتا
میں ظالم و جاہل ہوں مرا کیا کہنا

افعال کی توحید ہے دل کا ماویٰ   قربانیٔ نفس ہے تقاضا جس کا
گر شر نہو پھر یہ کس مرض کی ہیں دوا   صبر و شکر و دعا و تسلیم و رضا۔
ملتی ہے کسے نجات بیدل کے سوا

ناخن ہے کہاں کہاں ہے چشمِ بینا
دونوں ہیں اگرچہ آدمی کے اعضا
میزانِ عقل میں نہیں تُل سکتا
حیوانِ منی کے ساتھ کرمِ امعا
توحید مٹاتی نہیں فرقِ اعیاں کا

ممکن سے ممتنع ہے واجب کی ثنا
عقلِ اوّل نے ماعرفناک کہا
جب وصفِ محمدؐ میں ہیں عقلیں عاجز
شاکرِ اللہ پاک کا کیا کہنا

بسمل سا رگِ جاں کو تڑپتے دیکھا
جب دل سے کبھی نام محمدؐ کا لیا
پتھر کے دلوں کو بھی اچھلتے پایا
ترتیل سے جب کتابِ اُمیؐ کو پڑھا

اے رحمتِ حق ظہور تیرا جو ہوا
قائم ہوی دنیا میں اخوّت کی بنا
توحید کی تہذیب کی تکمیل ہوی
تو محسنِ کل ختمِ رسلؐ ہے بخدا

اُمیؐ عرب نور کا تو ہے پتلا
وہ تیری کتاب وہ کتابی چہرا
کانوں نے دماغوں کو کیا اس کا مطیع
آنکھوں نے کیا دلوں کو تیرا شیدا

میت کو زمیں پہ سیر کرتے دیکھا
شیطان کو انسان سے ڈرتے دیکھا
دیکھا شق القمر زمانے میں ترے
خورشید کو ڈوب کر ابھرتے دیکھا

ہے فاتحِ بابِ جذب ختم الخلفا ؓ — صدّیقہ ہے صدّیقہ بتولِ زہرا ؓ
دونوں ہیں حبیبِ خاصِ محبوبِ خدا — ان کے گھر سے ملا جسے عشق ملا

اللہ کا شیر اور وصی احمدؐ کا — معصومہ ؓ کا زوج مومنوں کا مولا
خیبر کی وہ فتح وہ یمن کی تسخیر — خالد ؓ کس کو نہیں علی ؓ پر غبطا

قدرت میں خدا کی نہیں ایسا جوڑا — ان کی اولاد کیوں نہ ہو نورِ ہدا
بی بی کو ملی ہے انبیا کی عصمت — شوہر وارث شجاعت و حکمت کا

تو افسرِ اولیا ہے محبوبؓ خدا — اے نورِ نبیؐ مقام تیرا ہے اَنا
ہوتا ہے ولی وہی بقولِ عرفا — جو تجھ میں علی ؓ میں یا نبیؐ میں ہو فنا

بے عیب تھا بے داغ تھا بے کینہ تھا — سینہ نہیں نور کا وہ آئینہ تھا
سینے سے لگایا تھا نبیؐ نے جس کو — سن اے نادان عمر ؓ کا وہ سینہ تھا

فارس والے کا جب ستارہ چمکا — دینِ بیضا سے بن گیا نورِ ہدیٰ
ہے شاملِ اہلِ بیت اللہ رے وہ — اور مرشد امام جعفرِ صادق ؓ کا

اے ہند کے پیرِ ہمارے داتا — سایل ترے دروازے پہ ہیں شاہ و گدا

اجمیر کو جا کر کوئی دیکھے شاطر مٹ کر لاتا ہے رنگ عاشق کیا کیا

انس و ملک و جن کا وہاں ہے پھیرا اجمیر کا دربار ہے کیا کام روا
مقناطیسِ قلوب ہے تربت کیا مٹی میں ہے ربِّ عالمیں کا جلوا

اقلیمِ ہند میں ہے وہ بے ہمتا کشفِ اسرارِ دین پہ مامور جو تھا
زیبا ہے اسے حکیمِ امّت کا لقب بے حجتِ بالغہ نہیں یہ دعویٰ

آئینۂ علم و فیض مرشد میرا قدس سرہٗ ہے وارثِ حالِ خامسِ آلِ عبا
ہمنامِ خلق بھی ہے خلیفہ بھی ہے تفسیرِ حسینی کا ورق ہے بخدا

رکھی مرے سر پہ تو نے اپنی کفِ پا مرقد میں قدم کو تیرے میں نے چوما
پا بوس کا خواب میں بھی اعزاز ملا مجھ سا بندہ ہو اور تجھ سا آقا

صدقے سے وصی کے خواب ایسا دیکھا جس پر ہے نازِ چشم و دل کو کیا کیا
وہ مہرِ فلک کی سوئے ذرّہ حرکت وہ بحرِ کرم کا سمتِ قطرہ بڑھنا

دیکھو فیضِ غلامیٔ آلِ عبا کیا خلعتِ نورِ ذہن نے ہے پایا
اوہام سے پاک ہیں مضامین شاطر الہام ہے القا ہے تخیّل کیسا

ہے پنجتن پاک کا سر پہ سایا۔ — پا بوسیٔ غوثؓ سے سرافراز ہوا
دارین میں سرخرو رہیگا شاطر — مرشد (قدس سرہ) نے بارہا یہی فرمایا۔

دل میں مرے نورِ معرفت ہو پیدا — امراضِ جسم و جاں سے حاصل ہو شفا
دارین میں سرخرو رہوں اور سرسبز — معصومہؑ دعا بہرِ شہیدین دعا

غالب گو اپنے رنگ میں ہے یکتا — گو اس کا کلام سحر ہے بابل کا
اعجاز الہام وہ کہاں سے لاتا — شاطر پہ ہے لطفِ خاصِ غوثؓ و زہراؓ

سقراط کو اللہ اللہ معلوم نہ تھا — کیا چیز ہے خودکشی شہادت ہے کیا
بے ہادیٔ وحی نار کو سمجھا نور — شاطر ہے غلامِ خاصِ آلِ عبا

موجود ہوں دو ایک ارادہ تو جفا — موجود ایک اور دو ارادے بیجا
دو موجود اور دو ارادے یہ جھوٹ — موجود ہے ایک ایک ارادہ بخدا

جو چاہے خوش دلی سے جینا مرنا — سن لے دو باتیں پیر ہو یا برنا
بعث و تقدیرِ حق پہ لانا ایماں — حیؒ قیوم سے محبت کرنا

حول و قوت سے اپنی باز آ باز آ — افعال کے خیر و شر سے فارغ ہو جا

امّارہ و لوّامہ ہیں جب تک باقی
ہوتی نہیں مغفرت کسی کی بخدا

گر نفس کو جانا تو خدا کو جانا
بھولا گر نفس کو خدا کو بھولا
ہے قیدِ خودی خوف و غم و روسیہی
یوسف ہے تو زنداں سے نکل تخت پہ آ

جز نقلِ خطِ جبیں عمل نامہ ہے کیا
پندارِ وجود نے خطا کار کیا
منسوب بحق ہیں قول و فعلِ عرفا
اصحابِ کہف کا مُقلّب ہے خدا

بیگانۂ رُشد رُشد کا ہے بیٹا
پورِ سینا نہیں ہے طورِ سینا
برعکس نہند نامِ زنگی کافور
رازی کے لقب کا راز کیوں اب سمجھا

وہ منفرجہ بن گیا جو حادّہ تھا
طفرہ جو کرے زاویہ حیرت ہے کیا
دیکھا نہیں کارن کو سیّال کبھی
نابالغ پیر کو تو اکثر دیکھا

فرعون تجھے اَنا نے مقہور کیا
منصُورؔ اسی انا سے منصور بنا
جبرئیل بھی عشق ہے عزازیل بھی عشق
کیا رازِ شگرف مجھ سے صنعاں نے کہا

وہ چشمِ ظہور یہ سویدائے خفا
وہ سب سے بڑا اور یہ سب سے چھوٹا
ایٹم ہے اِدھر شمس اُدھر بیچ میں میں
اطراف کے حصے میں خودی ہے نہ خدا

شاطر سے سوال یہ پلوٹو نے کیا — کیا یاں بھی نہ ہو گا کوئی تجھ سا پیدا!
بے ساختہ اس نے کہا چاہے جو خدا — ہر ذرّۂ کائنات ہو شاطر زا

پیری و مرض درد ہیں اور موت دوا — آسڈا اس کو کہو تو وہ ہیں سوڈا
شر سے شرلِ کے خیر بن جاتا ہے — ہیں سبقتِ رحمت کے کرشمے کیا کیا

دہری بے شک ہے عقل کا تو پتلا — اک آن میں راز دہر کا کھول دیا
کیا کچھ بھی نہیں مایہ و جنبش کے سوا — کم بخت یہ حق و حسن و نیکی ہیں کیا

ظاہر سے مل رہا ہے باطن کا پتا — کیوں عقل کو ہیں تردّدات بیجا
العشق ہو اللہ پہ دل ہے مائل — الحُسن ہو الحق پہ ہے صاد آنکھوں کا

مرنا ہے مقدر میں ضرور اس کے سوا — معلوم نہیں کہ خیر و شر ہیں کیا کیا
ہے موت اگر خیر تو جینا بھی ہے خیر — اور موت اگر شر ہے تو شر ہے جینا

کیوں منکرِ قلبِ ماہیت ہیں حکما؟ — کچھ دور نہیں بنے اگر مِس سونا
غزالی کی کیمیا ہے اعجاز نما — مٹی کو اس سے نور بنتے دیکھا

کیوں تیرِ ملامت کو کماں میں جوڑا — واعظ پک کر جگر ہوا ہے پھوڑا

توڑی سو بار اگرچہ توبہ لیکن
صد شکر کہ ہم نے نہ کوئی دل توڑا

پیدائش۔ زندگی۔ فنا اور بقا
چاروں کے واسطے ضروری ہے خدا
شاطر کے دل و دماغ کا ہے فتویٰ
انسان کی فطرت پہ ہے مذہب کی بنا

دریا سے نمک نکالنا ہے جھگڑا
دولت کی تلاش میں سر اپنا نہ کھپا
سعئی بے سود میں جو آتا ہو مزا
سن پارے میں ہے ریڈیم اور سونا

گر چالس کے سر ہے ارتقا کا سہرا
لے جوڈ بتا غلط ہے کیوں یہ دعویٰ
مٹی پہ چہار عنصرِ بیدؔل کو
زورِ طوفانِ نوحؑ نے لکھا تھا

اسلام نے شرک کو جہاں سے کھویا
اب رسم کی طور پر ہے بت کی پوجا
فارقؔ کیا چیز ہے میں اس سوچ میں تھا
آوازِ سروکشں آئی کرما کرما۔

سرّ صوفی کی جستجو ہے بیجا
زاہد پروانگی نگس کو ہے بلا
جبری سے پوچھ اس کو کیا خاک ملا
بیدؔل ہی کے سر کو راس ہے یہ سودا

جبر موصل اجل کو ہے وہ پاتا
یہ ہادمِ لذّات سے ہے گھبراتا
امید اُس کی ہے روز افزوں شاطرؔ
ہر آن ہے اِس کا خوف بڑھتا جاتا

کہتے ہیں کہ انسان ہے غرض کا پتلا   اور اس کی سرشت میں نہیں مہر و وفا
شاطر کہتا ہے یہ غلط ہے دعویٰ   یعنی ہے خلافِ رائے شاہِ شہدا

رسمِ وحدِ دنیا پہ بہت غور کیا   رومی و غزالی کی کتابوں کو پڑھا
دنیا کی حقیقت کو مگر پا نہ سکا   الکشن ہی نے یہ معمّا کھولا

یعقوبؑ تھے مائلِ جمالِ محبوب   موسیٰ تھے قائلِ جلالِ محبوب
غوث الاعظمؓ میں ہے کمالِ محبوب   واللہ ہے وہ وارثِ حالِ محبوب

تقدیر کو دیکھے چشمِ دانش کی یہ تاب   لاکھوں ہیں سنّتِ الٰہی کے حجاب
پیشین گوئی ہے وحی و الہام کا کام   کامل کا دل ہے لوحِ محفوظ کا باب

ذاتی جوہر نہو تو ہے ہیچ نسب   اسلاف کی تاریخ ہے افسانۂ شب
گردوں کے ستارے تھے خزف پارے ہیں   کیا ہو گئے آج اور کل کیا تھے عرب

اے ذروۂ طورِ ارتقائے خلقت   آئینۂ لولاک ہے تیری سیرت
تاریخ کا فتویٰ ہے کہ تو ہے خاتم   یعنی فعلِ عبث ہے ننگِ فطرت

ظلمات ہے جسم اور دل آبِ حیات   صورت حبشی کی ہے ملائک کے صفات

تپتی ہوئی ریت پر وہ جلنا دن بھر اور پھر وہ احد کا ذکر اللہ رے ثبات

دینِ فطرت کی ہر جگہ ہے شہرت باقی ہے خلافت و کتاب و سنّت
ہوتی جاتی ہے کم زمیں کی وسعت دنیا کو کسی نبی کی اب کیا حاجت

مطلق وحدت ہے اور مقید کثرت جسم و زور و مکان و وقت و حرکت
بے حد بھی ہیں سب کے سب اضافی بھی ہیں صوفی کی بلا ہے آئنسٹائن کی تہمت

عالم کی محبت ہے جنون و حسرت دردِ سر عقل جان کی ہے الفت
حبِّ فردوس یعنے بیم و امید عشقِ جانِ جہاں مدامی عشرت

ہے موت اِسے زہر اُسے آبِ حیات اِس کے لئے صبر اُس کے حق میں ہے نبات
روز افزوں اِس کا خوف ہو اُس کی امید گر منکر و مومن کو ہو غفلت سے نجات

کذب و مکر و فریب و ظلم و تہمت طولِ امل و بغض و لجاج و ذِلّت
یہ سب آئے ہیں ساتھ الکشن کے ابلیس مبارک تجھے خوابِ راحت

کیا ہے جسم و خیال؟ صورت صورت لازم غرض ان کا کیا ہے؟ حرکت حرکت
محور دنیا کا کیا ہے؟ غفلت غفلت ہے دین کا کیا مدار؟ الفت الفت

دنیا والوں کی جانتا ہوں عادت — مرجانے کے بعد کرتے ہیں سب عزت
ڈھارس مجھے دے رہے ہیں اللہ رے میں — عیسیٰؑ وحسینؓ کی ہے کیسی شفقت

اردو میں ہے اچھے شعرا کی کثرت — کس کی نہیں کچھ نہ کچھ وطن پر منت
غالبؔ. اقبالؔ. انیسؔ. اکبرؔ. شاطرؔ — پانچوں کا تخیّل ہے مفیدِ ملت

توحید وہ اسلام کی وہ حفظِ حدود — کس دین میں کس فلسفے میں ہے موجود
جبرئیلؑ کو صرف کیوں گئے بھول ہنود — کیا دہر کا رہنما نہیں اُن کا وجود
حالانکہ ہیں اور تین ان کے معبود

زیبا ہے فقط ربِّ محمدؐ کو سجود — اور جدِّ حسینؓ کو مقامِ محمود
ہیں خیرِ امم ہی کے لئے اے شاطرؔ — اسرارِ وجود اور انوارِ شہود

وہ اِفک کا واقعہ وہ زاری بے حد — وہ وحی وہ زورِ حق حمیراؓ کی وہ کد
ہے عصمتِ صدیقہؓ کا قرآن گواہ — ماینطق کا ظہور ہے لا احمدؐ

موسیٰؑ کرتے ہیں برزخ سے استمداد — بر آتی ہے آصف سے سلیماں کی مراد
معلوم ہے بددعائے بلعم کا اثر — کس عین میں کچھ خاص نہیں استعداد

فانی او ثنان کا تھا قارون عابد
مجنون تھا حسنِ عارضی کا ساجد
دونوں کے غلام ہیں جہاں میں لاکھوں
ہے ربّ مرا رحمنِ جمیل و واحد

جب صِفر کی قوت کو پہنچتے ہیں عدد
کھو دیتے ہیں فرقِ نسبتی بن کے احد
تمثیل سے بھی درست ہے استدلال
شاطر نے نیستی سے لے تو بھی مدد

کچھ لوگ ثنا گو ہیں ترے ابنِ سعود
کچھ لوگ سمجھتے ہیں تجھے نا مسعود
کیا ہے توحید پوچھ بو یحییٰ سے
ہو یادِ لذات کا جس وقت ورود

بخت اس کا منور رہے شکلِ خورشید
عالم میں معزز ہو بہ مثلِ جمشید
اس پر رہے رحمتِ رسولِ انور
اے عرشِ عظیم والے اے ربِّ مجید

تھے بزم میں عاشقانِ ادیانِ شہیر
تقریر تھی شمع اور منطق گلگیر
اوروں کے اساطیر تھے کل بے تاثیر
مسلم ہی کے پاس تھی دکھا دی تصویر
بول اٹھی وہ عالم کو کرونگی تسخیر

آدمؑ کی بکا اور تھی داؤدؑ کی اور
ملتے نہیں یعقوبؑ سے یحییٰؑ کے طور
سجادؓ کے آنسوؤں کا ہے رنگ جدا
اور گریۂ حنّانہ بھی ہے قابلِ غور
گردوں کا جو رساغرِ عشق کا دور

مقصود بقائے نسل ہو تجھ کو اگر ‏ رکھ جنگ و ولادت کی ضرورت پہ نظر
پردے سے ضرور نکلے عورت باہر ‏ انسان جو بنے جنم بدل کر خچر
الفاظ ہیں مختصر معانی بے مر

جو وحی کے قائل ہیں کریں غور اگر ‏ مانینگے تجھے سب سے بڑا پیغمبر
منکر بھی جو سوچینگے تو سمجھینگے ضرور ‏ اُمیؐ پہ ہوے ختم کمالاتِ بشر

سن کر قرآن نبیؐ کو سمجھے شاعر ‏ دیکھا شق القمر تو جانا ساحر
مجنون کہا شعب سے نکلے جو رسولؐ ‏ کیا عقل کے دشمن تھے عرب کے کافر

ہے نزع میں باپ اور گریاں دختر ‏ دیتا ہے اسی کو اس کے مرنے کی خبر
کس شان کے بندے ہیں کہ دونوں خوش ہیں ‏ رحمت ہو خداؐ کی تا ابد دونوں پر

زن ہو یا مرد ہے خدا کا مظہر ‏ تکمیل طلب تھی فطرتِ نوعِ بشر
تھا نقشِ اولیں پسرؑ اور مادرؑ ‏ اور نقشِ آخریں پدرؐ اور دخترؑ

وہ مومنِؓ اوّل اور وہ مونسِ غار ‏ تن من دھن جس کا تھا پیمبرؐ پہ نثار
دی روحِ نبیؐ نے اس کے اخلاص کی داد ‏ معصومہؓ سے جب اس نے کیا استعذار

مقتولِ خنجرِ ستمگر ہے عمرؓ
مدفونِ روضۂ پیمبر ہے عمرؓ
ارضِ موعود فتح کرلی اُس نے
شانِ ختمِ رسل کا مظہر ہے عمرؓ

اللہ رے جلال اور جمالِ باہر
عقلِ ملک و جن و بشر ہے حائر
کہتا ہے یہی احدؒ یہی احمدؐ بھی
میں ہوں میں ہوں کہاں ہے عبدالقادرؓ

یہ ناز یہ فخر یہ تبختر شاطر
یہ زور یہ شان تجھ میں کیوں ہے آخر
بے برگ و نوائی تو ہے تیری ظاہر
کیا تیرا خداوند ہے شاہِ قادرؓ

ہے ربؒ مرا رحمنؒ حکیم اور قدیر
رحمت ہے مرا نبیؐ شفیع اور بشیر
کہتا ہے جو لاتخف غلام اُس کا ہوں
کیا ڈر ہے مبشر بھی ہوں میں اے تقدیر

وہ پاؤں کے چھالے وہ مدینے کا سفر
مرہم وہ لعابِ دہنِ پیغمبرؐ
اللہ کرے قبر میں وقتِ پرسش
ہو زیرِ کفِ پائے علیؓ میرا سر

وہ صاحبِ قربِ خاص بسطام کا پیر
سلطانِ عشق کی وہ گویا تصویر
حیران ہیں ابو ترابِ نخشبی کیا کیا
اللہ رے جلالِ پوستین پوش فقیر

ہے جد مرا فاروقؓ پیمبرؐ کا وزیر
اور میرا پیمبرؐ ہے رسولوں کا امیر

سردار سب اولیا کا ہے میرا پیرؒ
اللہ رے میں واہ رے میری تقدیر

ہے قابلِ عشق کس قدر قلبِ بشر
اور ہے اس کیمیا کا کس درجہ اثر
نادیدہ عاشقِ قرن کو دیکھو
نہ چرخ و عقولِ عشرہ بھی ہیں ششدر

تا حشر رہے پیشِ نظر یہ تصویر
یہ ہے مرے خوابِ زندگی کی تعبیر
دل سجدہ کناں تپاں ہے آنکھیں گریاں
اس حال میں قال کا ہے کیا کام نکیر

حکمت بھی ہے سحر بھی ہے تیری تقریر
احمدؒ کے عشق کی ہے کیسی تاثیر
لے نومِ عروس ہو مبارک تجھ کو
اللہ رے تو واہ رے تیری تقدیر

اب کس لئے آئیگا کوئی پیغمبر
اُمّیؐ سارے علوم کا ہے مصدر
تخمِ الفت کا قلبِ عارف ہے ثمر
نوشابہ سے چھپ سکیگا کیا اسکندر

تفسیر ہے کُن کی ارتقا کا دفتر
سب سے اکمل ہے آخری پیغمبرؐ
اب کیا ہو گی ضیائے انجم رہبر
مغرب کھول آنکھ یہ ہے مہرِ خاور

شاعر تھے انبیا صحابہ شاعر
تھے فنِ شعر میں ائمہ ماہر
اللہ کے سیکڑوں ولی شاعر تھے
شاعر تھے جنابِ شیخ عبدالقادرؒ

ہر عہد نے تسلیم کیا اس کا وقار
شاعر کے فضائل ہیں ہیں اخبار آثار
ہر سورہ کا سرنامہ ہے اک مصرعِ تیز
اللہ رے معراجِ سخن کا اظہار

اعجاز ہیں ارتقا کے کس سے ظاہر
جبریلؑ سے پوچھ کیا ہے اصلی شاعر
مانیؔ۔ سقراطؔ۔ بارؔبدؔ۔ خسروؔ۔ قیسؔ
کس کو دعویٰ نہیں کہ میں ہوں شاطر

تخئیل سے بہرہ یاب ہے ہر شاعر
تخئیل سے ہے فرقِ مراتب ظاہر
اللہ بنائے جسے صاحبِ اعجاز
اس کی تخئیل کیوں نہ ہوگی نادر

ہے شیرِ شریعت تو حقیقت شکّر
کچھ جبر کچھ اختیار ہو مدِ نظر
جہد اور دعا رہے توکّل کے ساتھ
طائر کے لئے ضرور ہیں دونوں پر

اک بحر ہیں اشعار ہیں دفتر دفتر
جن میں ہیں کل مراتبِ خیر و شر
کھل جائیگا اس مثال سے سرتاسر
ہے وحدت و کثرت میں تعلق کیونکر

ہے نفس کا ادّعائے توحید غرور
یہ بندۂ زر ہے اور وہ عابدِ حور
کب تھا وہ ایاز کی پرستش سے نفور
محمود اگرچہ بت شکن تھا مشہور

کیونکر جئیں زیست ہوگئی ہے دوبھر
کیا موت کو چاہیں کہ گناہوں کا ہے ڈر

جینے میں قلق ہے اور مرنے میں خطر
رحمت رحمت کا ورد ہے شام و سحر

کہسار سے جھوم کر وہ اٹھا ہے ابر
ساقی آ۔ لا وہ چیز لا کب تک صبر
سینے میں ہے دل کباب سوزِ غم سے
آخر مومن ہوں رحم کر رحم نہ گبر

یہ موت سے وہ حیات سے ہے بیزار
دہری کا بہشت پیروِ بدھ کو ہے نار
جینا مرنا ہے ایک صوفی کے لئے
دارین میں ساتھ اس کے ہے اس کا دلدار

انسان کی خلقت کا عجب ہے ہنجار
خود غرضی ہے شعار اور عقل وثار
خود غرضی و عقل اور یہ بوالعجبی ہے
اللہ کا انکار اجل کا اقرار

ہے دام ہوا و حرص میں نفس اسیر
اسرارِ حیات سے ہے جاہل بے پیر
امراض ہیں جوع البقر و استسقا
کافی ہیں دمِ آب و لبِ نانِ شعیر

زالِ دنیا کی خوب دیکھی تصویر
کیا سرد ہے اب دل یہ مرے وہ تپتے ہیں
اکلیلِ جم بھی کاسۂ سائل ہے
کیا رات تھی کیا خواب تھا اور کیا تعبیر

سوزن۔ مقراض۔ کارد۔ انبر۔ نشتر
پیکان و سنان و دشنہ و تیغ و تبر
مانا فولاد ہی کے ہیں یہ مظہر
پڑتی ہے صفات پر بھی کامل کی نظر

ہمدردیٔ ملک و ملت اس کا تھا شعار
شمع اسلام کا وہ پروانہ تھا۔
سر سیدؒ مرحوم پہ ہے قوم نثار
ہوتے اے کاش ایسے کا فرد و چار

وہ جدتِ الفاظ و معانی کی بہار
وہ نظم و نثرِ فارسی و اردو
تخیلِ غریب کا وہ پھولا گلزار
وہ سب سے الگ روش وہ نادر افکار

رنگینیٔ مضموں ہے کہ جنت کی بہار
الفاظ تو ٹھاٹھ کے ہیں قاآنی کے
اشعار روانی میں ہیں سیلِ کہسار
گفتار ہے طوطی کی نہیں صوتِ ہزار

واعظ دلِ رنداں کی تجھے کیا ہے خبر
کل پی نہ سکے ذکرِ قیامت پر اشک
وہ موم کبھی ہے اور گاہے پتھر
بھر بھر کر آج پی رہے ہیں ساغر

دونوں پہ سیادت و ولایت کو ہے ناز
شوہرؓ پہ ہے ہر وقت درِ مسجد باز
دونوں کی طہارت ہے سراپا اعجاز
اور بی بیؓ تیس روز پڑھتی ہے نماز

کہتا ہے عطارد نہیں کھلتا یہ راز
شاید اب بھی وہاں ہے کوئی شاعر
کیوں چرخ اثیر کو زمیں پر ہے ناز
صاحب الہام اور صاحب اعجاز

رحمانؔ کی نعمتوں سے پُر ہے آفاق
ہر چیز میں حسن ہیں ہے چشمِ مشتاق

جنّت یُلاق اور دوزخ قشلاق | اللہ رے دلدادۂ رحمت کا مذاق

کب تک یہ صدمہ ہائے جانکاہِ فراق | مدفن ہو بقیع، اور مسکن ہو عراق
رخصت اے ہند الوداع اے مدراس | تم میں رکھا ہے کیا بجز بغض و نفاق

آتا نہیں واللہ بلانے سے عشق | جاتا نہیں زنہار چلانے سے عشق
کہتی ہے عقل ہے یہ کیسا بدمست | رُکتا ہے نہ آنے سے نہ جانے سے عشق

کعبے میں وہ قرآن کا پڑھنا بے باک | ابنِ مسعودؓ اور وہ نعلینِ پاک
وہ فقہ و حدیث میں خداداد کمال | بحرینِ علم و عشق ویک کوزۂ خاک

ہیں ہوش ربا حضرتِ باطن کے کمال | ہر مظہر خود جمال خود ضدِّ جمال
ہر لحظہ ہے دل کو حسن کا شوقِ وصال | اور ظاہر و باطن کے قوی ہیں دلّال
تفصیلِ نظامِ کُن کا یہ ہے اجمال

شاہد ہیں عدو یہ ہے ترا فضل و کمال | شاعر کا لقب ہے علم و حکمت پر دال
ساحر کے خطاب سے عیاں ہے اعجاز | مجنوں کے لقب سے ہمت و استقلال

وہ درد جو تھا بتولؓ کو بعدِ رسولؐ | وہ داغ علیؓ کو دے گئی تھیں جو بتولؓ

صدقہ دونوں کا مجھ کو دل دے یارب
دارلے امانت ہے ظلوم اور جہول

معصوم اگر رسولؐ تھے کیا حاصل
جب تک نہو دو باتوں کا بھی تو قائل
جبرئیلِ امیں تھے سہو ونسیاں سے بری
اور زمرۂ اصحابِ نبیؐ تھا عادل

افعال نہیں اس کے غرض پر محمول
راضی برضا ہے وہ ظلوم اور جہول
عاشق کو جلائیگا جہنّم کیا خاک
کہتے ہیں جسے عشق ہے ملکِ محلول

اسمار کو ظہور میں تعطّل ہے محال
یعنی متجدّد ہیں دمادم امثال
مغرب پہ کوانٹم تھیوری سے کھلا
اشراقِ جہاں بنائے صوفی کا حال

باطل ہے اتحاد باطل ہے حلول
حق کے لئے ثابت ہیں تجلّی و نزول
والشمس کی میں کھاکے قسم کہتا ہوں
قرآن سے ماخوذ ہیں صوفی کے اصول

شاطر سے سنو عشق و ہوس کی تمثیل
یہ آتشِ نمرود وہ گلزارِ خلیل
گوسالۂ سامری ہو کیونکر وہ طفل
تھی جس کی زباں عصمتِ یوسفؑ کی دلیل

ایتھر میں خلا نہو تو حرکت ہے محال
معدوم ہو ایتھر تو ہے باقی اشکال
ہم دیکھتے بھی آنکھ بھی ہے محفوظ
اس راز کو سمجھے عقل کی کیا ہے مجال

سچ ہے کہ نہیں سنّتِ حق میں تبدیل
مانا کہ مظاہر میں ہے ربطِ تعلیل
گھٹتا بھی ہے بڑھتا بھی ہے سرعتِ آب
فطرت کے قوانین کی کیا ہو تشکیل

سائنس کی فکر میں ہے گرگٹ کا حال
منطق ہے فلسفی کی مکڑی کا جال
اڈنگٹن بھی ہے اب قیامت کا مُقِر
سمجھا ہے اس کو انٹراپی کا مآل

دہری حکماء کے متحیر ہیں عقول
ظاہر ہوئے کس طرح ریاضی کے اصول
انسان تو پیدا نہیں کرتا ان کو
اور ہے معدوم جو ہے مطلق مجہول

ہر دم ہے تجلیاتِ اسماء کا نزول
لیکن کوئی مستعد بھی ہو بہرِ قبول
پیدا ہوئی جب زمیں میں استعداد
شاطر میں کیا روح عطارد نے حلول

قول و عمل و جذبہ و اخلاق و خیال
ہیں حضرتِ عشق کے یہ سارے اشکال
حبِّ جانِ جہاں ہے گر حسن و کمال
سودا جان و جہاں کا ہے قبح و زوال

ہے فنِّ نجوم میں برہمن کامل
کرما و تناسخ کا بھی ہے وہ قائل
اضداد کا اجتماع ہے خود باطل
تاویلاتِ ضعیف سے کیا حاصل

مشرب مرا توحید ہے مذہب اسلام
محترم (قدس سرہٗ) مرشد ہے اور نعمان امام

فاروقی و قادری و چشتی ہوں میں　　اور خواجۂ نقشبند کا بھی ہوں غلام
کردیگا وہ دل پہ نقش اللہ کا نام

اے وارثِ احوالِ رسولِ اکرم　　محبوبِ خدا آئینۂ حسنِ قدم
تاثیر و عدد میں ہیں برابر دونوں　　پھر نام ترا کیوں نہو اسمِ اعظم

فرزندِ رسول جعفرِ صادق نام　　اجداد بھی اولاد بھی خود بھی ہے امام
ہے مرشد و استادِ مشاہیرِ کرام　　عرشِ عرفان و فقہ ہے اس کا مقام

اے شیخ رفاعی ترا ارفع ہے مقام　　تو بھی ہے دلیلِ زندگیٔ اسلام
حیران ہیں کیا کیا حکماء کے اوہام　　کرتے ہیں تیرے نام لیوا وہ کام

اشعار ہیں حافظ کے سراسر الہام　　ہیں حضرتِ عشق کے وہ گویا پیغام
رومی کی بانسری کنھیا کے مقام　　صوفی کی شراب اور جمشید کے جام

کیا ہے اسلام عاشقی کی تعلیم　　جس کا سہرا ہے اور سرا ابراہیم
کی ابنِ ذبیحین نے تکمیل اس کی　　تیرے سر کی قسم ہے اے ذبحِ عظیم

سرتاجِ شہور خود ہی تھا ماہ صیام　　زہرا و علی بڑھا گئے اور اکرام

بست و یکم و سوم کو جن کا ہوا وصل　　پیدا ہوا چو بیسویں کو ان کا غلام

وہ صوفیٔ باصفا وہ گنجہ کا حکیم　　پائی تھی جس نے خضر سے بھی تعلیم
میدانِ وغا میں پھونکتا ہے جب صور　　کیا کیا ہیجان میں آتے ہیں عظم رمیم

اخبارِ نبیؐ کا ہے قضائے مبرم　　وہ غلبۂ روم اور وہ فتح عجم
پیشین گوئی سے بڑھکر ہے کونسی شی　　توحید و رسالت پہ دلیلِ محکم

ایمان ہے علم اور عمل ہے اسلام　　احسان جسے کہتے ہیں وہ ہے عشق کا نام
علم و عشق و عمل دماغ و دل و دست　　اصلاح قوائے نفس مذہب کا ہے کام

تخمِ ناپاک بو گیا تھا بنتھام　　اسپنسر و مل نے کیا میراب کا کام
اثمار سے روس نے بنائی ہے شراب　　انگورہ کی مستی ہے اسی کا انجام

مزدک کی مئی کمال کا رنگین جام　　فیروز کی تیغ اور عصمت کی نیام
اللہ رے نظر فریبیٔ رنگ و ریا　　وہ شام تھا سمجھے تھے جسے ہم لسطام

دیکھا رومی کا حال و قالِ عرفاں　　یونانی اب بتا کہ کیا ہے انساں
ناطق فصلِ قریب ہے یا عاشق　　لے تیرا سفسطہ بھی گم صم ہے یہاں

کیا صاف ہے آیتِ امانت کا بیاں

ہیں شاہدِ علم و جودِ ربِّ کونین
عالم اور حضرتِ رسول الثقلین
ہیں ختمِ نبوت پہ بھی شاطر دو گواہ
قرآنِ حکیم و سرِ تسلیم حسینؓ

اعجاز اِسے کہتے ہیں کہ سب ہیں حیراں
اُمّیؐ لائے کتاب وہ بھی فرقاں!
دنیا کے مرقع کو کرے زیر و زبر
عبداللہ کا یتیمؐ اللہ کی شان

تھا ریب و ریا سے پاک جس کا ایماں
کونین کے والی پہ تھے جس کے احساں
ڈالا گیا جس کے صدر میں سرِّ نہاں
ہے اس پہ خلافتِ پیمبرؐ نازاں

وہ شارحِ اوّلِ رموزِ عرفاں
وہ کاشفِ اسرارِ حدیث و قرآں
وہ جذب وہ حال اور وہ زورِ بیاں
اسلام ہے ابنِ عربی پر نازاں

حکمت کی ترقی سے یہ ہوتا ہے عیاں
یورپ و امریکہ و چین و جاپان
سب لائینگے تیری مثنوی پر ایماں
اُمّیؐ کی کتاب جس کی ہے روح رواں

جینے مرنے سے جس کے کچھ نفع نہیں
انسان ایسا کسی نے دیکھا ہے کہیں
اے زندگیٔ احمدؐ واے مرگِ حسینؓ
فیضِ محیّ و ممیت کا ست ہو تمھیں

ہے وارثِ انبیاؑ رسولِ دو جہاں
اس کے وارث بتولؓ و شاہِ مرداں
ہیں ان کے کمالات کے وارث سبطین
وارث ان کا ہے شیخِ جن والناںؓ

اے عاشق و معشوقِ خدائے کونین
وارث ہیں ترے حال کے دو نور العین
غوث الاعظم ہے فردِ معشوقوں میں
عشّاق کے کارواں کا سالار حسینؓ

تھے اہلِ عرب زباں پہ کیا کیا نازاں
کی ایک اُمّیؐ نے بند اُن سب کی زباں
پھر اس کے خلف نے بھی دکھایا اعجاز
پھر اک عجمیؓ سے دب گئے اہلِ لساں

ہے جس کا کارنامہ نشرِ قرآں۔
نورین حقوق پر ہیں جس کے برہاں
اے صلحِ حدیبیہ و اے جنگِ تبوک
تم دونوں جانتے ہو کیا تھا عثمانؓ

اے وادیٔ طف کعبۂ عشق و عرفاں
تجھ پر سے دل و دماغِ شاطر قرباں
دونوں کو کیا سے کیا بنایا تو نے
دی شعر کو جان فلسفہ کو ایماں

عالم عابد کریم عادل سلطان
مرتاض ولیٔ کامل و قطبِ زماں
زیبا ہے لقب خلیفۂ پنجم کا
کس درجہ وہ سادات کا تھا مرتبہ داں

معدوم ہے شاطر اور موجود ہوں میں
مشہود ہوں مقصود ہوں معبود ہوں میں

میں علم ہوں میں حیات میں قدرت ہوں
میں عشق ہوں میں حسن ہوں اور وجود ہوں میں

اللہ کے بندوں کی عجب شانیں ہیں
مٹی کی مورتوں میں کیا جانیں ہیں
اشرافِ خاطر اور خرقِ عادات
مذہب پہ زبردست یہ برہانیں ہیں

دنیا فانی ہے کل من فیہا فان
لیکن ڈرتا ہے موت سے صرف انسان
اعمال و عقائدِ صحیحہ ہیں ضرور
تا جیتے جی اس خوف سے مل جائے امان

آنے والی ہے موت سب کو ہے یقیں
بحث اس میں ہے وقت ہی معیّن کہ نہیں
دہری اسے مانتا ہے مومن اس کو
کامل کرتا ہے وقت کی بھی تعیین

مجبور ہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتے ہیں
ہے جی میں کچھ اور منہ سے کچھ بکتے ہیں
افتادہ و خاکسار ہیں مثلِ زمیں
لیکن ہم آگ بھی دبی رکھتے ہیں

مشکل ہیں ہم اک بشر کا منہ تکتے ہیں
کیوں شرم گنہ دعا بھی کر سکتے ہیں ؟
اے چرخِ ستم پیشہ نہ کر کر ظلم
عاجز ہیں مگر ہم بھی خدا رکھتے ہیں

میخانے میں رات دن پڑے رہتے ہیں
پیمانے کی گردش کے ستم سہتے ہیں
تو کس سے ڈراتا ہے ہمیں اے واعظ
کیا اس سے جسے غفور بھی کہتے ہیں

ہم عرش ہیں ہم فرش ہیں ہم چرخ و زمیں
ہم جن ہیں ہم ملک ہیں ہم حور العین
افرادِ موالیدِ ثلاثہ ہیں ہم
ہم کیا نہیں بند آنکھیں جس دم کریں

رکھ یاد قساوت میں بھی ہے صبر کی شان
ہوتا ہے تہوّر پہ توکّل کا گمان
ہے کبر میں شکر بخل میں زہد کا رنگ
مشکل ہے مقامات کی سالک پہچان

کس طرح سلامت رہیں نفس و دل و جان
جہل و شہوت کے دام میں ہے انسان
دامن کو نبیؐ کے تھام ماٰمن ہے یہی
معصوم سے دور ہیں خطا و نسیان

برقی ذرّات صورتِ دل تھے تپاں
یعنی تھی جستجوئے کامل انسان
ہیں ہمعددِ نامِ محمّد عنصر
یعنی ہے وہی مقصدِ تخلیقِ جہاں

مخدوم کو خادم پہ نہیں فوق نہیں
ہیں اس کے مصدّق آسمان اور زمیں
کیا یوسفؑ و داؤدؑ نہیں حاملِ وحی
کیا شاہِ رسل نہیں خدیجہؓ کا امیں؟

اب ہے یہ فزکس اور ریاضی کا بیاں
محصور نہیں گو متناہی ہے مکاں
ہے کوئی جو امریکہ و یورپ سے کہے
شاکر سے سنو رازِ مکاں سرِّ زماں

ہے موت سے بے خبر جو انسان نہیں
بے بہرہ ہے وحی سے جسے کان نہیں

آئینۂ نیستی کا سیماب ہے عشق　　جس ذرّے کو دل نہیں اُسے جان نہیں

کالج کا نہ مدرسے کا ہے کچھ احساں　　پھر بھی ہوں مغزِ فقہ و جانِ عرفاں
فہمِ اُمّ الکتاب اور ہیچ مداں!　　اُمّی کا معجزہ ہے عبدالرحمٰن۔

قرآں کے اسرار کا ہے گنجینہ　　انوارِ نبوت کا ہے وہ آئینہ
کہتے ہیں اسے مدینۂ علم کا باب　　لوحِ محفوظ ہے علیؓ کا سینہ

وہ رقص، وہ وجد و حال بیتابانہ　　میرے خواجہؒ کے نعرے وہ مستانہ
وہ مَے کے زور اور وہ نَے کے شور　　اجمیر ہے یا پریم کا بتخانہ

دنیا میں ہیں، ہم عصمتِ مریمؑ کے گواہ　　اور آپ کو بھی مانتے ہیں روح اللہ
پھر کیوں یورپ کی پھر گئی ہم سے نگاہ　　عیسیٰؑ کہئے تو کچھ ہمارا ہے گناہ؟

ممکن ہو تو یہ نہ جان کیا شئی ہے گناہ　　یا بچ عصیاں سے تا نہ ہو نامہ سیاہ
یہ بھی جو نہ ہو سکے تو کر استغفار　　عارف تو ہے بدری کہ ہے لاحول پناہ؟

ایوبؑ بھی یحییٰؑ بھی ہے اور عیسیٰؑ بھی　　داؤدؑ و سلیمانؑ بھی ہے وہ اور موسیٰؑ
اللہ کا مظہرِ اتم ہے یعنی　　اضداد کا جامع ہے نبیؐ امّی

سمجھو اگر اخلاق کو جرمِ فلکی۔ مرکز محور مدار سب کچھ ہے وہی
تاریخ میں بھی ثبت ہے سیرت اس کی

حیوان کی ارتقا ہوی جب پوری ناطق کی فصل عنبس کے ساتھ لگی
نوعِ انساں کی گرچہ صنفیں ہیں بہت ازروے فضل چار ان میں ہیں بڑی
شاعر بے شک حکیم سے ہے افضل دونوں سے ولی بڑا ہے اور اس سے نبی
فردالافرادِ انبیا ہے اُمّی

انسان کی ارتقا میں جب بحث ہوی گھبرا گیا نیٹشے دلیلوں سے مری
جب بات نہ بن سکی تو کیسی شہ دی شاطر تری قدر کس نے جانی پوری
میں نے کہا ہرگز نہیں پروا اس کی دیتا ہے دادِ عقلِ اول میری
تو مان لے مظہرِ اتم ہے اُمّی

آئینۂ مریمی و روحِ قدسی شکلِ بشری اور خواصِ ملکی
نزغِ شیطان سے فطرۃً جو تھا بری تھی غیرتِ سنّ رشد جس کی طفلی
دم جس کا تھا محیٔ لمس جس کا شافی شاہوں کا فخر ہے غلامی جس کی
تھا حضرتِ خاتم کا مبشّر وہ بھی

وہ ملک کا ترک جستجو وہ حق کی شہوات کشی کی وہ سبق آموزی

بدھ پا نہ سکا حقیقتِ درویشی — ترکِ خواہش کہاں کہاں ترکِ جہان دی
وہ تاسیسِ خلافتِ ربّانی — وہ ترک کا ترک وہ عرب کی شاہی
الفقر اذا تم ھواللہ ہے یہی

ہیں نوعِ بشر میں کچھ صفات ملکی — کچھ حیوانی ہیں اور کچھ شیطانی
ہیں ناول و تاریخ میں شکلیں ان کی — کیسی مکروہ اور کیسی پیاری
ان سب کی نمایش ایک ہی وقت ہوی — تیرے صدقے سے یا حسینؓ ابنِ علیؓ

مومن کی نظر میں آخری ہے وہ نبیؐ — اور مظہر کامل ہے بقولِ صوفی
کہتا ہے بعدِ غور یہ دہری بھی — ممکن ہے کہ ارتقا کا خاتم ہو وہی
کیا شان ہے اللہ رے نبیؐ اُمّی

دنیا فانی ہے ملک و دولت فانی — اور ساری لذتیں ہیں بے شک آنی
ہو کس کی محبت پہ بھروسا دل کو — میں کبر باقی! ہے کون تیرا ثانی

کس کے عشّاق تھے زیادہ سب سے — اور سب سے بڑے ہیں کارنامے کس کے؟
سنتے ہیں کہ یورپ میں مورخ ہیں بڑے — انصاف سے کوئی تو جواب اس کا دے

دہری ہوں حق پرست مشرک صوفی — ڈاکو کشورستاں ہوں جاہل مفتی
دنیا نے کبھی ایسی ترقّی دیکھی؟ — اللہ جل جلالہ کی قدرت تھا عرب کا اُمّی

ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے پوتے
یہ بھی ہیں پانچ جن کے رہتے ہیں بڑے
وارث نہیں گر پنجتنِ پاکؑ ان کے
ابراہیمی درود کے کیا معنے؟

جب بڑھ گئی حد سے مشرکوں کی سختی
محبوبِ خداؐ نے نیتِ ہجرت کی
عشاق نے امتحاں کا موقع پایا
ہمراہ خلیفہؓ تھا بچھونے پہ وصیؓ

کیا ہو سکے حمد و نعتِ اللہؐ و نبیؐ
وہ ربِّ محمدؐ ہے یہ مولائے علیؓ
ہے کون علیؓ زوجِ بتولؓ اور بتولؓ
سبطینؓ کی ماں ہے جو ہیں نورِ ہادی

اے ختمِ رسل فداک اُمّی و ابی
تو سب سے بڑا مظہرِ اسمِ ہادی
کس نے پائی ہے یہ فضیلت تیری
تیرے دریوزہ گر ہزار دل ہیں ولی

اے بوالارواح اے نبیؐ اُمّی
جاری ہے ترا فیضِ جلی فیضِ خفی
تھا مسجدِ اقصیٰ میں یہ وردِ جبرئیل
تو اور ہے اے صاحبِ قرآن و علیؓ

تاریخ میں جلوہ گر ہے سیرت تیری
باقی ہے کتاب اور خلافت تیری
موسیٰؑ عیسیٰؑ بدھ اور کرشن کہتے ہیں
اے جانِ رسالت ہے رسالت تیری

اللہ رے فیضانِ نبیؐ اُمّی
چھوڑا قرآن صامت و ناطق بھی

ہے سارے تصانیف پہ وہ سایہ فگن — اور تختِ قدم اس کے ہیں جتنے ہیں ولی

اُمّیِ عرب فداہ امّی و ابی — دنیا ہو اور کتاب محفوظ اس کی
غزالیؒ و ابنِؒ عربی و رومیؒ — یہ بھی ہیں کاسہ لیسِ شیرِ امّیؐ

نجران سے وفد لیکے راہب آئے — ٹھرائی مباہلہ کی روح الحق نے
چرخِ چارم سے بولے یوں روح اللہؑ — نادانو مباہلہ اور اِن پانچوں سے

اے مرکزِ علم و عمل و عشقِ نبیؐ — عالی ہے ترا مقام اور نام علیؓ
ایمان و جان و دل سمجھتے ہیں تجھے — سارے صدیق سب شہید اور ولی

وہ زورِ یداللّٰہی وہ خیبر شکنی — وہ شانِ بوترابی و مردہ وشی
صدیق و ولی شہید ہادی مہدی — واللہ کہ مظہر العجائب ہے علیؓ

خاتم ہو خلافت کا مشیّت یہ تھی — اس شاہ میں کس بات کی تھی ورنہ کمی
فاروق تھا فاروق تھا فاروق تھا وہ — صدّیق تھا صدّیق تھا صدّیق علیؓ

ہے فقر کے آسمان پہ تیری کرسی — میں پائے بہ گل ہوں بوترابؓ آ دیرِ گنی
شرماتے تھے نوریوں کو تڑپاتے تھے — وہ نیم شبی نالے وہ غرّی غیری

کس شان سے مکّے کا دلیر آتا ہے — اسلام کی تائید کو شیر آتا ہے
جبرئیل نے دی خانۂ ارقم سے ندا — دیوِ سرکش کو کرکے زیر آتا ہے

جس کے اسلام کے تھے مشتاق نبیؐ — اسلام نے جس سے شان و شوکت پائی
منکر سن رکھیں وہ کوئی اور نہیں — ہے صہرِ رسولؐ اور دامادِ علیؓ

جس وقت خلافت پہ مصیبت آئی — اسلام کے تھے وکیل سبطینؓ نبیؐ
ملک ایک نے قربان کیا جان ایک نے دی — ہے بارِ امانت سے خلافت ناشی

ہمدوشِ نبوت ہے ولایت تیری — ہے ہمسرِ معجزہ کرامت تیری
اللہ کے ملک پر ہے قبضہ تیرا — ظاہر ہے ترے نام سے قدرت تیری

نسلِ اسحاق میں بہت سے ہیں نبیؐ — اسماعیلی ہے ایک نبیؐ عربی
اولادِ حسینؓ ہی میں ہیں سارے امام — قطب الاقطابؒ ایک ہی ہے حسنی

علاّمہ مجتہد حکیم و صوفی — روشن دل و مستجابِ دعوات ولی
آئینۂ صورت و دل و جانِ نبیؐ — یعنے ہادی مرا حسینؒ مہدی

قنبرؓ مرا فخر ہے غلامی تیری — اپنے آقا سے کر سفارش میری

کر عرض کہ شاطر ہے کب تک محروم
دیدار سے اس کے آپ جیسں کے ہیں وصی

محروم ہے دو جہاں کی لذت سے بدھی
دہری کو ہے دو دن کی غم آمیز خوشی
زاہد کو ہے امیدِ نعیمِ ابدی
ہر حال میں مست ہے مگن ہے صوفی

وہ فارسِ میدانِ تہوّر نہ رہے
بدر و احزاب کے بہادر نہ رہے
حق پر قربان ہونے والے ہیں کہاں
رونا یہ ہے کربلا کے وہ حر نہ رہے

اس خندہ سے ڈر جس سے ہو غفلت ناشی
وہ گریہ نہ کر جو لہر ہے غفلت کی
ہے قابلِ دیدِ خلق و مقبولِ خدا
ضاحک کی بکا ہو یا ہو ضحکِ باکی

تکلیفیں ہیں بشر کو کیسی کیسی
شرعی جسمی خیال اور حافظ کی
پھر اس پہ کریںگے رشک سارے مخلوق
ہو جائے یہ فانی جو فنا فی الباقی

مرجانے کو آج کون ہوگا راضی
یا کون قبولیگا حیاتِ ابدی
ہر حال میں راضی برضائے حق ہے
کیا بات ہے اے صاحبِ تمکین تیری

اعیاں کی قابلیتیں ہیں مخفی
اور ہے صحبت میں شانِ مقناطیسی
ہیں مریم و جبرئیل روان و دانش
ہاروت و زہرہ نفس اور چالاکی

عاشق سے جدائی نہو راحت ہے یہی
معشوق سے صحبت رہے عزت ہے یہی
دونوں رہیں تیرے ساتھ جنت ہے یہی
دونوں کا فراق بس قیامت ہے یہی

انسان سے بڑھکر نہیں محتاج کوئی
محتاجِ تعامل و تصاحب ہے یہی
محتاج اساتذہ ہے محتاجِ نبی
ظاہر ہے کہ طفلی میں ہے محتاجِ دلی

فکر و حیرت پہ فلسفہ ہے مبنی
سائنس قیاس و تجربے سے ناشی
اسلام روایت و درایت کا طور
احسان عشق و یقین کا شورِ آرنی

تعلیمِ مسیح سے غرض کچھ نہ رہی
اب جینس ہے اور نحل کی شاگردی
کہتا ہے کہ عالم ہے ریاضی کا ظہور
کل دیکھئے کیا سکھائے اس کو مکڑی

منکر کو بھی مومن کو بھی ہے رنج و خوشی
یہ صبر و شکر اور وہ فکر و شیخی
دونوں کو اجل کھینچ رہی ہے ہر دم
خوف اُس کا اُچھل رہا ہے امید اِس کی

اے آئینہ آزری بھی تیری دیکھی
اب دیکھ رہے ہیں شانِ ابراہیمی
برنائی و پیری پہ ہے منت تیری
تو خوابِ نازتو اذانِ سحری
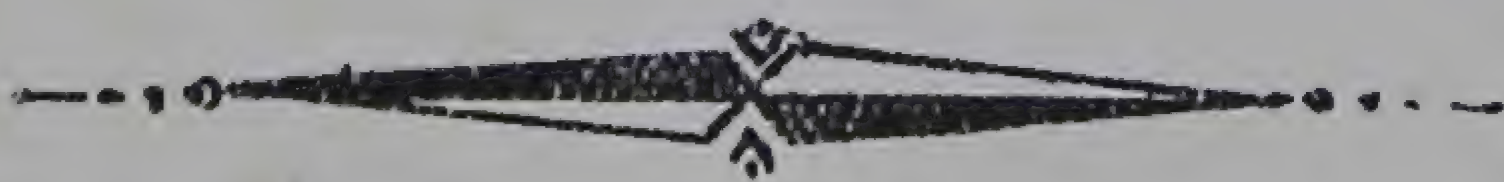
رباعیاتِ فارسی

دیدم در خواب حضرتِ نعماںؒ را — ہم بر قدمِ غوثؓ شدم ناصیہ سا
یارب بطفیلِ شان مرا نیز رساں — بر اوجِ کمالِ فقہا و عرفا

باز آ باز آ ز خوابِ غفلت باز آ — از خوف و غم اصلا نہ تواں گشت رہا
یا عقلِ تو انکار کند از مردن — یا قلبِ تو آشنا شود مردن را

یاس و حرمان و خوف و غم ایں ہمہ نیست — مردن آسان شود چناں باید زیست
گردوں بہ مرادِ کس نہ گردد شاطر — دُردے در جامِ خود ندارد آں کیست؟

مرگِ نوابِ عبدِ قادر قہر است — در ساغرِ ما بجائے صہبا زہر است
صد گونہ شکایت است در دل امّا — مہرے بلبم ز لاتسبّوا الدّہر است

آں کو کہ جمالِ خود نمائے تو ندید — وان کیست کہ صوتِ بے صدایت نہ شنید
وہم و شک و ظن سپس یقین و رویت — ہر کس صہبا بقدرِ پیمانہ چشید

ساقی چو بچشمِ مست ساغر پیمود — اندوہ و ہراس نیز با عقل ربود

پرسیدم از و عشق سرت گردم چیست عِش لی وقتٌ عن سوائی قلبک فرمود

در نالۂ او سوز و اثر ریختہ اند
سرمایۂ سودائش بسبر ریختہ اند
معلوم شد از زبانہ خیزیٔ زباں
صد برق بہ قالبِ شرر ریختہ اند

اے در گروِ مدرسۂ بحث و نظر
برخوان سبقے زِ لوح ننوشتہ بر
تا کے لِمَ و لا و تا کجا قال اقول
تا کے شش و پنج و تا کجا بوک و مگر

از خاک سرشتند ہمہ پیکرِ عشق
جبرئیل معرّاست زِ بال و پرِ عشق
اندیشہ بود ماتِ کمالِ صانع
در قالبِ عقل ریختہ جوہرِ عشق

حسّان الہند عاشقِ ختمِ رسل
مینائے عشق را پیامت قلقل
با شعرِ جنوں زلے تو آمیختہ اند
بوئے گُل و زورِ مُل و شورِ بلبل

قدری ہمی گوید کہ فاعلِ مختارم
جبری داند کہ بندہ ام ناچارم
درماں پئے دردِ زندگی از من پرس
من بیدل و دل بدستِ یارے دارم

تو جانِ جہانستی و مارا جاناں
حبّ تو بود در دلِ مسلم ایماں
حق بیں شود آنکہ فیض از نورِ تو یافت
تو مردمِ چشمش و بشر چشمِ جہاں

اسلام جہاں راست بہشتے بازیں
تخمش زحرا و آلش از بدر و حنین
چوں از پسِ قرنے بہ فسردن آمد
دادندش آب و رنگ از خونِ حسینؓ

روشن گہرے نازشِ نسلِ ایران
آورد شموسِ علم از کاہکشاں
ہستند عیالِ او فقیہانِ جہاں
اعظم لقبِ امام، نامش نعمانؒ

خواہی گر زیستن بہ آئینِ بہیں
حق را کارش سپار و فارغ بنشیں
خوف و غم و فکر و خشم و یاس و حسرت
خیزد ہمہ از چرا چناں گشت و چنیں

راضی برضا زی کہ شوی مستغنی
صد گونہ عذابست زِ جہلت ناشی
گر نامۂ تقدیر تو افتد بکفت
فی الحال شوی شہید و صدیق و ولی

از تخمِ ضعیف نشو یابد شجرے
وز قطرۂ آب بستہ گردد گہرے
دُرّ اکلیلِ جم بہ جامے دریاب
تاب و تبِ صد دل است اندر شررے

از نالہ خموش گشت مرغِ سحرے
چشم از ہنگامہ بست صاحب نظرے
اے سردیٔ دے فسردہ شد آخر کار
اندر کفِ خاکسترِ ما بد شررے

ہر مطلوبے کہ طالب آں ہستی
یا از تو برد یا بشوی خود فانی

محبوب شو و مرگ ہمیں است نجات
پیوندِ قوی بدار با نورِ نبیؐ

باطل چو گریخت کرد حق جلوہ گری
حق آمد و باطل بہ عدم شد سفری
تفسیرِ سلوکؔ و جذب از من بشنو
اِذْ غِبْتُ بَدا واذْ بَدا اغیبیؔ

از غیرِ خدا مترس و امید مدار[1]
بر صدق بنہ اساس گفت و کردار
بگریز ز آرزو شوی بے آزار
از کس چیزے مخواہ باشی خوددار
اے جانِ عزیزِ من خدا بادت یار

طالع حملم بود و مہ در سرطان
در سنبلہ تیر راست با مہر قران
برجیس بہ قوس و زہرہ اندر میزان
ثورے دلو اندر اس دو ترکؔ و دہقان
شکرِ یزداں کنم عیاں را چہ بیاں

اقبال و اسد سخنورانِ ممتاز
بر فطرتِ شان ہند و عجم را صد ناز
دارند بدستِ راست تیغِ ہندی
وندر چپ ساغرِ شرابِ شیراز

بشگافتہ سینۂ قلم نوکِ حسام
سجادہ زبر جیس ربودہ بہرام
نیشِ عقربِ کمانِ زوریں بشکست
ماہی را گربہ در آوردہ بدام

---

[1] یہ خماسی مصنف نے اپنی دختر عزیز ضیا کی شادی کے موقع پر لکھی تھی

۷۸۶

متفرقات

قصیدہ درنعت

دیکھ لی ہجر میں ساقی کے مری نوحہ گری
آج گرمائیگی پہلو مرا شیشہ کی پری

دل جلوں کا ہے ترے دم سے کلیجہ ٹھنڈا
رکھے اللہ سلامت تجھے داغ جگری

بیم و امید کا کھٹکا ہی نہ رکھا شاباش
تجھکو کیا کہکے دعا دیجئے اے بے اثری

نزع میں بھی مجھے اک پردہ نشیں کی ہے تلاش
راز افشا کئے دیتی ہے پریشان نظری

آبرو پر تری پھر جائیگا پانی اے ابر
جوش پر آئیگی جب دم مری آنکھوں کی تری

کُنجِ مرقد میں کفن تک کے اُڑائے پرزے
تیرے وحشی کی ہے زوروں پہ ابھی جامہ دری

میں بھی جل بجھنے کو ہوں سوزِ جگر سے اپنے
کوئی دم اور مرا ساتھ دے شمعِ سحری!

گرم نالوں سے مرے آگ لگے جنت کو
ٹھنڈی سانسوں سے مری سرد ہو نارِ سقری

میری بیتابیٔ دل ہے تری شوخی کا جواب
جوڑ بکھری ہوئی زلفوں کا پریشاں نظری

تم جو معشوقوں میں ہو فرد تو عشاق میں ہیں
شہرتِ حسن کی ٹکر مری شوریدہ سری

نشترِ تیز ہے خود ترچھی نظر قاتل کی
زہر میں اور بجھاتی ہے اُسے عشوہ گری

فتنۂ حشر بپا کرتا ہے دیکھیں کیا حشر
وہ اڑاتا ہے تمہاری روشِ فتنہ گری

منتیں کرکے منایا ہے کسیکو شبِ وصل
اب ترے شور میں کیا دیر ہے مرغِ سحری!

ضعف سے ہل نہیں سکتا ہوں کرے میری مدد
اُس کے قدموں پہ لٹا دے مجھے دردِ جگری

حالِ ایامِ جدائی کا سنا دے جا کر
عمرِ رفتہ کو مناسب ہے یہ پیغامبری

محفلِ یار میں ٹوٹیں کہیں اشکوں کے نہ تار
نکرے آج کمی جوشش میں خونِ جگری

دامنِ یار رہے ناصح کا گریبان نہیں
دیکھ اچھی نہیں اے دستِ جنوں جامہ دری

دیکھتے ہی اُسے بھر آتے ہیں پھر دیدۂ شوق
ہائے پھر مانعِ دیدار ہے آنکھوں کی تری

میرے ماتم میں بھلا غیر نہ روئے کیونکر
کہیں جاتی ہے تری عادتِ بیدادگری؟

رشک کہتا ہے خبردار نکرنا اف تک
محفلِ غیر میں اٹھتا ہے جو دردِ جگری

مل چکے خاک میں اب قبر ہمیں دے نہ فشار
خوب ہی پیس چکا ہے فلکِ نیلوفری

ہم کو ساقی سے غرض کچھ ہے نہ مے سے مطلب
دل رہے پاس سلامت رہے خونِ جگری

آگ بھڑکی ہے مرے سینے میں آہیں ہیں سرد
سیر ہے آتی ہے دوزخ سے نسیمِ سحری

ہو ہی جائیگا مقدر میں جو کچھ ہونا ہے
اب نہ دیکھینگے تجھے ای فلکِ نیلوفری

میرا مطلب اُسے سمجھا دے خدایا دمِ نزع
کچھ اشارہ نہیں جو کہتی ہے پریشاں نظری

ایک امید پہ جیتا ہوں خدارا اے یاس
قیدِ ہستی کی کشاکش سے مجھے کردے بری

پی ہے می ہجر میں ٹال سچ ہے دگرنہ ظالم
سرخ کرتا ہے کہیں آنکھ کو خونِ جگری!

جلتی ہے تا دمِ آخر سرِ بالیں اُن کے
اپنے کشتہ کی تو دلسوز ہے شمعِ سحری

بیوفائی کی شکایت میں عجب لذت ہے
رحم آجائیگا دیکھو نہ مری نوحہ گری

ہمکو خورشیدِ قیامت سے بچانے کیلئے
عرقِ شرم ہے اور دیدہ و دامن کی تری

چھوڑ کر سبکو ہوا ہوں ترا عاشق اے موت
اب خوشی دل کو اثر کی نہ غمِ بے اثری

عشق میں زلفِ پریشانکے تو خود ہوں برباد
کیوں اُڑاتی ہے مری خاک نسیمِ سحری

خیر کچھ غم نہیں اتنا تو کر احسان صبا!
خاک جا پہونچے مری روضۂ خیر البشری

شاہ کی مدح میں پڑھتا ہوں وہ مطلع شاطر
سر کو دھننے لگیں سنتے ہی جسے جن و پری

مطلع ثانی

رحمتِ عالم کے باعث ہے تری ناموری — تیرے قربان میں اے شافعِ جرمِ بشری
ناخنِ فکر سے حل کر دئے عقدے سارے — سامنے تیرے ہے مانندِ بدیہی نظری
شکلِ رابع سے نتیجہ کا کرے استخراج — رائے سے تیری جو حیوان کو ہو بہرہ وری
علتِ غائی ایجادِ دو عالم تری ذات — معنوی اس میں فضائل ہیں بھرے اور صوری
جلوہ گر سینہ میں ہے داغِ محبت تیرا — اسکی گرمی ہے مرے جسم کی رگ رگ میں بھری
خواب میں دیکھ لیا پنجتنِ پاک کا گھر — میرے محرم مرے جبریل نے کی راہ بری

قصیدہ در منقبتِ خواجۂ خواجگاں سلطان الہند غریب نواز قدس اللہ سرہٗ

تابِ نظارہ نہیں ہے ہمکو کیا تجلی سے کام — ہے ہے موسیٰ! اپنے آگے جلوۂ ماہِ تمام
روشنئ ماہِ وحدت کا یہ چاند آئینہ ہے — جسکے در پر ماہ و خور دریوزہ گر ہیں صبح و شام
اس طرف بھی اک نگاہِ مہر اے ماہِ منیر — ظلمتِ عصیان و غم سے دل ہے میرا تیرہ فام
ظاہر و باطن ترا نورِ نبی سے ہے بھرا — تو ولئ کامل اور تو سیدِ عالی مقام
ہیں خزانے غیب کے دستِ کرم پر تیرے وقف — یاں فقیروں کا ہے اللہ غنی کیا ازدحام!
ان کی قسمت پر سلاطینِ جہاں کو رشک ہے — تیرے دروازے پر آتے ہیں جو سائل صبح و شام
تیرے میخانہ میں جو ہے وجد میں ہے مست ہے — ہے عجب اعجازِ ساقی بنگئے ہیں گوش جام
تو خدا میں ہے فنا اور میں خودی میں مبتلا — ہیں کہاں اوصاف تیرے اور کہاں میرا کلام
بہرِ غوثِ پاک کر شاطر کو شاہا سرفراز — بادشاہِ اولیا کا تو وزیر اور وہ غلام

بندۂ محبوب اے خواجہ ترا بھی بندہ ہے
کر بحقِ پنجتنؓ شاطرؔ کے حق میں بھی دعا

علینِ یکدیگر نفوسِ قدسیہ ہیں لاکلام
تا رہے دارین میں وہ سر بلند و شادکام

قصیدہ

جو بتقریب جشنِ افتتاحِ حجاز ریلوے پڑھا گیا

ایک مُلّا خوبیاں کہتا تھا حج کی برملا
سنئے حضرت فحش و منکر سے بچاتی ہے نماز

جس سے اک آزاد نے بابِ سخن یوں وا کیا
ہے طہارت ظاہر و باطن کی اس کا مقتضا

اُس سے عادت ہوتی ہے پابندیٔ اوقات کی
صوم سے ہمدردیٔ انسان کا ملتا ہے سبق

راز ہے جسمیں دو عالم کی ترقی کا چھپا
اضطراری جوعِ مفلس کا وہ دیتا ہے پتا

منضج و مسہل کی صائم کیلئے حاجت نہیں
عامی و عالم ہیں دونوں واقفِ سرِّ زکوٰۃ

صوم ہے حکمی دوا از بہرِ جذبِ امتلا
پوچھتے ہو مجھ سے گر یہ فرض ہے سب سے بڑا

ہے وہ خیر النّاس جو ہے نافعِ ابنائے جنس
علم و مال و حسن و نیکی پر جو ہے انسانکو فخر

قلّہ و دلّہ ہے بیشک یہ حدیثِ مصطفٰے
چشمِ غائر میں اسی کلّی پہ ہے سب کی بنا

مال کہتے ہیں جسے تخمِ عمل کا ہے ثمر
مال کا ایثار بس ان سب پہ ہے اظہارِ شکر

اور عمل کی علم اور قدرت سے ہے نشو و نما
قوتیں اللہ نے کی ہیں ہمیں جتنی عطا

کوئی مذہب اور بھی ہے فرض ہے جسمیں زکوٰۃ؟
آج تک میں نہیں سمجھا کہ حج کیوں فرض ہے

مشرق و مغرب کے ہمدردوں سے ہے یہ پوچھنا
دین کا کیا فائدہ ہے اس میں اور دنیا کا کیا

ایسے حج کو دور سے کرتے ہیں ہم جھک کر سلام
ڈاکوؤں سے سابقہ منزل کٹھن امساکِ آب

مال جائے اور رہوں رنجِ سفر میں مبتلا
راستہ مکّے مدینے کا ہے گویا کربلا

رہزنوں کے پاس کیوں جائیں وطن کو چھوڑ کر
کیوں مصیبت سر پہ لیں احباب سے ہو کر جدا

ہے بشر مجبول اور مجبور حفظِ نفس پر
سارے افعالِ ارادی کی یہی ہے انتہا

مصلحت حج کی ذرا حضرت! بیان تو کیجیے
اس میں جلبِ نفع کیا دفعِ ضرر ہے اس میں کیا

عقل میں آئے نہ جو بات اس کو کیونکر مان لوں
عقل کیا اللہ نے کی بے علتِ غائی عطا

جب سنی آزاد کے مُلّا نے بیہودہ کلام
جلکے بولا چپ یہ کیا بکتا ہے اے ہذیاں سرا

کب ہم دلا کو امورِ مذہبی میں دخل ہے
ماننا احکامِ دیں ہے فرض بے چون و چرا

کیا حقیقت عقل کی جو دے سکے مذہب میں دخل
بے ستوں یہ آسماں کیونکر بتا قائم ہوا

جو ہے تیری عقل سے بالا وہی ہے حکمِ دیں
عقلِ کل شارع ہے تو کیا اور تیری عقل کیا

عقل سے کیا کام تجکو حکمِ ربّ پر کر عمل
عقل کا بندہ ہے تو یا تیرا خالق ہے خدا

دین کی باتوں میں نامِ عقل تک لینا ہے کفر
کیا تری تکفیر کر دوں رندِ کافر ماجرا!

سُن مصیبت جھیلنا راہِ خدا میں ہے ثواب
راہِ حق میں لٹ گیا گر مال تو غم اس کا کیا

پیاس کے صدمے ہوں یا رنجِ درازیِ سفر
جسقدر تکلیف اٹھائی اجر اتنا ہی بڑھا

اس سے بڑھ کر خوش نصیبی کوئی ہو سکتی نہیں
جان اگر کھوئی وہاں رتبہ شہادت کا مِلا

لوٹتے جاتے ہیں کاسی تک بامیدِ نجات
ہندوؤں سے لے سبق اے ننگِ دینِ مصطفیٰ

غیظ کے مارے ہوی آواز بھی مُلّا کی پست
اور سارے جسم میں غصہ سے لرزہ پڑ گیا

دیکھی جب مُلا کی از خود رفتگی آزاد نے
گو ہنسی آئی کیا ضبط اسکو اور کہنے لگا

سنئے قبلہ بحثِ علمی میں غضب کو کیا ہے دخل
آپ ناحق ناروا کیوں ہو گئے مجھ سے خفا

آپ کہتے ہیں کہ مذہب میں معطل عقل ہے
باعثِ تکلیفِ شرعی کہئے پھر حضرت ہے کیا

عقل ہی سے آدمی حیوان سے ممتاز ہے
کہئے گر تاجِ خلافت اس کو بیشک ہے بجا

غور کیجئے گر نہ ہوتا عقل سے مذہب کو کام
کافروں کو کس لئے نافہم فرماتا خدا

عقل میں آئے نہ جو شے ہے وہ فطرت کے خلاف
سنۃ اللہ میں نہ ہرگز دخل ہو تبدیل کا

بے نتیجہ جان گر دیدی شہادت کیا ہوی
دشت میں مارے گئے تو دین کو ہے نفع کیا

آپ کہتے ہیں سہیں تکلیف ہم مالا یطاق
جوگ سیکھیں ہندوؤں سے نا ملے حق کی رضا

یہ عقیدہ تو ہے تعلیمِ پیمبرؐ کے خلاف
راہبوں سے خوش نہیں ہوتا کبھی میرا خدا

جو مسلماں آپ سے پائے نہ کافر کا خطاب
چشمِ اربابِ نظر میں وہ نہیں جچتا ذرا

بالیقیں شرّ الوریٰ کا اسکو زیبا ہے خطاب
چھانٹ دے تکفیر سے جو امّتِ خیر الوریٰ

غیر قوموں کو بھلا اُس دین سے اُنست ہو کیوں
دشمنِ عقل آپ سے جس دین کے ہوں مقتدا

تُل گئے جھگڑے پہ دونوں بڑھ گئی جب حد سے بات
سنئے حضرت سنئے تو کہتا ہوا اٹھا طرّہ ہلا

پہلے کی آزاد کو نفریں کہ یہ کیا ہیں کلام
عالمِ زاہد سے گستاخی ہے بیشک ناسزا

پھر کہا اب مجھ سے سنئے اپنے شبہوں کے جواب
گر نہو کٹ حجّتی ہے خاتمہ ہر بحث کا

حق یہی ہے باعثِ تکلیفِ شرعی عقل ہے
عقل کی تعریف جتنی کیجیے سب ہے بجا

جتنے ہیں قانون قدرت کے وہ بیشک ہیں اٹل
اس پہ ہے قرآن یعنے قولِ فاعل خود گوا

عقل کہتے ہیں جسے ہے نامِ استعمالِ علم
اور حواسِ خمسہ پر ہے علم کی قائم بنا

ہیں مقید کیف و کم سے جب حواس انسان کے
عالمِ قدرت کے ہیں قانون بھی بے انتہا

کس طرح پھر علمِ مطلق کا ہو انسان مدعی
کُل قوانینِ الٰہی کو وہ جانے کیا بھلا

جان سکتے ہیں فقط اشیا کی کیفیّت کو ہم
کچھ نہیں چلتا یہاں ماہیتِ شے کا پتا

ہیں حواسِ خمسہ میں محدود کیفیات بھی
اور بھی کیفیتیں ہونگی بہت اُن کے سوا

کرتے ہیں محسوس جن کیفیتوں کو یاں حواس
ہیں ادھوری وہ بھی پورا علم کب حاصل ہوا

کہربائی قوۃ اور آواز گرمی اور نور
جسم کے اجزا کی حرکت ہے ان سب کی بنا

تیس سے اک ثانیہ میں ہوں اگر ضربات کم
یا عدد چل الف سے بڑھ جائے گر ضربات کا

ہو نہیں سکتا ہے دونوں حالتوں میں ہم کو علم
ہے وہ کیفیت ہمارے واسطے رو در خفا

ہم کو جن کیفیتوں کا علم اب حاصل نہیں
وہ بھی گر محسوس ہوں دنیا کا عالم ہو نیا

سمجھئے اس طرح ہیں جو لوگ مادرزاد کور
انکی دنیا ہے الگ اور آنکھ والوں کی جدا

پانچ سے زائد اگر ان کو ملتے حواس
دوسری کیفیتوں کو دہر کی وہ جانتا

اور کیا کیفیتیں ہیں ہم سمجھ سکتے نہیں
جیسے کور و کر ہیں رنگ و صوت سے ناآشنا

بوعلی کو مرتے دم تھا اپنی لاعلمی کا علم
ہو کے قائل اپنی نادانی کا نیوٹن کہہ گیا

سنگریزے ساحلِ دریا پہ چنتا ہوں ابھی
بحرِ قدرت کے خزائن سے نہیں ہیں آشنا

علت و معلول کی نسبت سے ہیں ہم بے خبر
علم ہم کو کچھ نہیں اس کا کہ کیوں ایسا ہوا

جذبِ ثقلی جس کا ہے ساری خدائی میں عمل
جال ہے پھیلا ہوا جس کا سمک سے تا سما

گھڑ لیا ہے نام اک اپنی تسلی کے لئے
ورنہ ہم کیا جانیں ہے اس لفظ کا مدلول کیا

وحی ہے نور البصر چشمِ خرد کے واسطے
نورِ چشمِ باصرہ ہے جیسے سورج کی ضیا

عقل و مذہب میں تناقض گر کہیں آئے نظر
وہ حقیقت میں قصور اپنے ہی ہوگا فہم کا

بعض ہیں اسرارِ دیں ایسے بھی جو معلوم ہیں
اور کچھ ایسے بھی ہیں جنسے ہیں ہم ناآشنا

حج میں بھی بیشک مصالح ہیں بہت سے بالیقیں
اجتماعِ قوم خالی از فوائد ہوگا کیا

آدمی بالطبع اپنی نوع کا محتاج ہے
ہے تعامل اور تصاحب پر تمدن کی بنا

حج میں لاکھوں آدمی گر جمع ہوں اک شہر میں
فائدے لاکھوں طرح کے ہونگے اس میں شبہ کیا

ملک گیری ملک داری پر کرینگے غور وہ
اور ہوگی ان میں مستحکم اخوۃ کی بنا

علم صحبت سے تجارت سے زیادہ ہوگا مال
صحت و تفریح ہے بدلی اگر آب و ہوا

شانِ مذہب کی نمایش اتفّاق و اتحّاد
اور بھی ضمنی فوائد ہیں عبادت کے سوا

کعبۃ اللہ کا بھی ہے مقصود عزّو احترام
جس عمارۃ کا خلیل اللہ سا معمار تھا

شہر مکہ اس کا مولد ہے جو ہے شاہِ رسلؐ
تھا بظاہر آدمی لیکن خدا جانے تھا کیا

وہ ہوا مبعوث ساری خلق کی اصلاح کو
سکّۂ رائج ہے اس کا دین تا روزِ جزا

ممتنع بالذات ہے جس طرح باری کا شریک
ممتنع بالغیر ہے یونہی شریکِ مصطفےٰؐ

دینِ برحق دین اُس کا اور وہ برحق نبیؐ
اُس کے دعوے پر تھی اُس کی صورۃ و سیرۃ گوا

سلطنت کی دی عناں اُنکو چراتے تھے جو اُونٹ
ایک اُمّیؐ کی وہ تھی تعلیم یا تھی کیمیا

جو درندے تھے بنایا اُن کو اُس نے آدمی
اور جو تھے آدمی اُن کو بنایا با خدا

قلبِ ماہیّت ہوی گویا عرب کی قوم کی
بنگیا زہرِ ہلاہل چشمۂ آبِ بقا

دلپہ غیروں کے بھی عظمت اس کی ہے چھائی ہوی
ماننا پڑتا ہے اس کو آدمی سب سے بڑا

جلوے ہیں مہرِ رسالت کے مدینے میں ابھی
ذرّہ ذرّہ ہی وہاں کا روکشِ مہرِ سما

آنکھیں وہ پھوٹیں جو اُن جلووں کی جویا ہی نہیں
پاؤں وہ ٹوٹیں جو واں جانے سے کرتے ہوں ابا

سب سے بڑھکر آپ کو اس بات پر تھا اعتراض
کعبۃ اللہ کا سفر ہے موجبِ کرب و بلا

سنئے دونوں صاحبوں کو اب میں دیتا ہوں نوید
جس کو کہئے روح افزا دلربا خاطر کشا

آج ہوتا ہے حجازی ریلوے کا افتتاح
رحمتِ عالم کی امّت پر یہ ہے فضلِ خدا

حاجی و زائر کرینگے کس مزے سے اب سفر
خوفِ جان و مال اب باقی نہیں ہے مطلقا

ہونگے اب حج سے مشرف لاکھوں مسلم ہر برس
قومی و ملکی مصالح اور ہیں اس کے سوا

کارنامہ ہے یہ اس سلطانِ عالیجاہ کا
ہر مسلمان نام پر جس کے ہے سو جاں سے فدا

ہے قلم کا بھی وہ حاکم تیغ کا بھی ہے دھنی
سارا یورپ اُس بہادر کا ہے لوہا مانتا

دانش و تدبیر و عزم و حزم و استقلال میں
فخرِ شاہانِ زمانہ ہے وہ اس میں شبہ کیا

نام اس کا آبِ زر سے لکھینگے تاریخ میں
فانیوں کو کبھی ہو جاتی ہے حاصل بقا

خادمِ اسلام و مخدومِ مسلماناں ہے وہ
سب مسلماں جانتے ہیں اس کو اپنا پیشوا

جب سنا یہ مژدہ باچھیں کھلگئیں آزاد کی
کہتے کہتے مرحبا ملّا کو بھی وجد آگیا

جب خوشی حد سے بڑھی رنجش نہ پھر باقی رہی
اور شاطر نے دیا دونوں کو آپس میں مِلا

جوڑ کر ہاتھوں کو ملّا سے کہا آزاد نے
قائلِ فرضیّتِ حج اب تو میں بھی ہوگیا

میں بھی مکّے جاؤنگا اب کے برس اور آپ کو
دونگا شاطر نصفِ اجرِ حج بشارت کی جزا

قصیدہ در مدحِ حضور نظام خلد اللہ ملکہ

رنگ لائی ہے نیا آج بہارِ گلشن
نو عروسانِ چمن پر ہے غضب کا جوبن

کالی کالی وہ گھٹائیں وہ ہوائیں ٹھنڈی
آج پیرانِ کہن سال بھی ہیں توبہ شکن

میکشو کھول کے جی خوب اڑاؤ بوتل
تم پر آنے کی نہیں آنچ کہ ہو تر دامن

محتسب بنکے نہ دل رندوں کے توڑا کیجیں
شیشہ ہائے مئے گلرنگ ہیں گلہائے چمن

مئے انگور کا ہر قطرہ ہے تجلّی زاہد!
پھونکدے زہدِ ریائی کے جو لاکھوں خرمن

اور کیا رحمتِ حق کی ہو دلیل اے واعظ
دیکھ میخانہ پہ ہے ابرِ کرم سایہ فگن

جلوۂ برقِ تجلّی ہے عیاں ہر گل سے
شجرِ طور کا ہر نخل میں پایا جوبن

دیکھیں اب جوشِ جنوں لیکے کدھر جاتا ہے
جس کو ہم دشت سمجھتے تھے وہ نکلا گلشن

ہر سحر کیوں گلِ خورشید نہو شرم سے زرد
کس قدر لالۂ احمر کا ہے چہرہ روشن

گل جو اس فصل میں خنداں ہوں تعجب کیا ہے
جوہرِ فرد کا بھی وا ہے مسرت سے دہن

کثرتِ لالہ و گُل سے ہے ہوا جاں پرور
عیش کا رنگ ہے اب غازہ کشِ روئے جہاں
ہم بھی اس دور میں کہنے کو ہیں مانندِ حکیم
مست بن بن کے گرے پڑتے ہیں سب پروانے
ٹپکی پڑتی ہے رگِ ابرِ بہاری سے شراب
فصلِ گُل آئی ہے اب دخترِ رز کا ہے دور
بوندیاں مینہ کی ہیں یا قطرے ہیں مے کے اے ابر
واہ رے فصلِ بہاری کی رطوبت کا اثر
غازۂ رنگِ شفق مل کے دکھاتا ہے بہار
کان میں کہتی ہے بلبل کا صبا جب پیغام
گلِ شاداب میں ہے عارضِ عذرا کی بہار
ناز سے چلتی ہے اٹکھیلیوں کی چال نسیم
قوتِ نامیہ کا اب کے ہے کچھ اور ہی رنگ
جھاڑتی ہے خس و خاشاک کو ہر صبح نسیم
نفسِ بادِ سحر ہے کہ دمِ عیسیٰؑ ہے
باغِ عالم میں کچھ اس طرح کا ہے جوشِ طرب
کچھ حسینانِ جہاں پر ہی نہیں ہنستے پھول
سونگھئے پھول کو تو پھول کا ہوتا ہے اثر
صاف غنچوں کے چٹکنے میں ہے قلقل کی صدا

آج کل باغِ جہاں میں ہے بہت آگ بجھن
حجلۂ شاہدِ عشرت ہے جو تھا دارِ محن
ہے فقط حدِّ نظر سر پہ نہیں چرخِ کہن
شیشۂ آتشِ سیّال ہے شمعِ روشن
چھیڑتے ہیں اُسے گا گا کے جو مرغانِ چمن
قاضیٔ شہر ہے ساقی سے موافق ہمہ تن
وجد میں جھومتے ہیں سارے جوانانِ چمن
آشیاں برق سے اب کرتی ہے بلبل روشن
آرزومند جوانی کا ہے پھر چرخِ کہن
مسکراتے ہیں عجب ناز سے گلہائے چمن
سنبلِ باغ میں ہے کاکلِ لیلیٰ کی پھبن
جس طرح سامنے دولہا کے خراماں ہو دولھن
سبزۂ باغ کو دعوےٰ ہے کہ ہوں سروِ چمن
دلِ عارف کی طرح صاف ہے صحنِ گلشن
دامنِ دشت ہے یوسف کا ہے یا پیراہن
تلخیٔ بادہ کا ہے تلخیٔ حنظل پر ظن
شاہدانِ فلکی پر بھی وہ ہیں چشمک زن
باغباں نے مئے گلرنگ سے سینچا ہے چمن
خندۂ جام سا ہے خندۂ گل توبہ شکن

دورِ ساغر کی روش رقص کناں بادِ صبا　　کف زناں وجد میں ہیں برگِ درختانِ چمن

توڑ کر توبہ جو اس دور میں ہو کوئی خجل　　عرقِ شرم بنے گر کے شرابِ لندن

صحنِ گلشن ہے کہ ہے غیرتِ گلزارِ خلیل　　کیا دہکتے ہوے انگارے ہیں گلہائے چمن

فصلِ ناطق کے عوض خاصۂ ضاحک کو　　نوعِ انسان کی حقیقت میں کہیں اہلِ سخن

صفحۂ دہر پہ انکا نہیں اب نام و نشان　　صفتِ حرفِ غلط مٹ گئے اندوہ و محن

قبر پر شاطرِ افسردہ کے سبزہ دیکھا　　اس سے کیا بڑھکے ہو تاثیرِ بہارِ گلشن

آجکل عیش نے پائی ہے جو یہ نشو و نما　　اس کا باعث ہے جو بیلی تری اے شاہ زمن

مدح حاضر میں پڑھوں مطلعِ تر جوش ایسا　　وجد میں آئے جسے سنکے ابھی روحِ سخن

مطلع ثانی

خلق کے دلمیں جگہ تیری ہے اے شاہِ دکن　　جتنے اللہ کے گھر ہیں وہ ہیں تیرے مسکن

حسن افروزِ جمال آپ کا روئے انور　　دانش آموزِ خرد آپ کی رائے روشن

حسنِ دلکش کا وہ عالم ہے کہ سبحان اللہ　　ایسا شاداب تصوّر میں نہیں کوئی چمن

شش جہت میں ہے ترے نام کی دھوم آٹھ پہر　　کہتے ہیں آصفِ سادس تجھے اے شاہِ دکن

یہ زبردست دماغ اور یہ قوی دل تیرا　　دونوں ہیں صنعتِ صانع کے عجائب مخزن

شیرِ تصویر سا ہے شیرِ فلک بھی بے حس　　دیکھکر شیر ولی کو تری اے شیر فگن

اے جہاں دار جواں بخت سراپا تیرا　　حسنِ اخلاق کی تصویر ہے بر وجہِ حسن؟

کیسۂ زر ہے ترے عہد میں ہر ایک کی جیب　　کانِ گوہر ہے ترے دور میں ہر اک کا دامن

قدر داں تو ہے شریفوں کا ہنرمندوں کا　　درِ دولت ہے ترا اہلِ ہنر کا مامن

ختم کرتا ہوں قصیدہ کو دعا پر شاطر ہے ادب کا یہ تقاضا کہ نہ ہو طولِ سخن

رہے جبتک کہ نسیمِ سحری غنچہ کشا لالہ و گل رہیں جب تک کہ فروغِ گلشن۔

خندہ زن تیرے ہوا خواہ رہیں گل کی طرح داغِ دل صورتِ لالہ ہو نصیبِ دشمن

آپ کا سایہ رہے خلقِ خدا کے سر پہ آپکے سر پہ رہے ظلِّ خدا سایہ فگن

غزل مدحیہ

کبھی جو خواب میں محبوب جلوہ فرما ہو نظر کا تار رگِ دیدۂ زلیخا ہو

تری نگہ کا اشارہ جو اے مسیحا ہو تو دل کے مردہ امیدوں میں حشر برپا ہو

فلک کے سنگِ حوادث کا پھر اسے کیا ڈر خدا کے سایہ کا جس سر زمین پہ سایا ہو

نہیں غرور و ستم جس میں تو وہ ہے محبوب کمال کیا ہے جو عاشق تری رعایا ہو

مجوس دیکھے جو پھر شمس کو تو ہم جانیں نظر فروز جو تیرا رخِ دل آرا ہو

نہیں خدا کی یہ قدرت تو کیا ہے اے دہری کہ ایک شخص ہی حاتم ہو جم ہو کسریٰ ہو

یہ حسن اس پہ شجاعت یہ ہے خدا کی شان کہ صید افگنِ شیراں غزالِ رعنا ہو

خدا کا سایہ ہے تو فیض عام ہے تیرا ہے تیرے سایہ میں مسجد ہو یا کلیسا ہو

اب اور کیا ہو ترقی زبانِ اردو کی وہ تیرا شکر ادا کر سکے جو گویا ہو

نہ شہریار نہ سید تھا آصف اے آصف غلط ہے اس کو اگر ہمسری کا دعویٰ ہو

فدا ہو تو مہ وحدت پہ صورتِ یوسف نثار تجھ پہ زلیخا کی طرح دنیا ہو

دکن امیدوں کا کعبہ بنا ہے اے دہلی اب اس کے بعد نہ تحویلِ قبلہ اصلا ہو

وہ جانِ ہند ہے اے ہند کے مسلمانو! خدا کے واسطے آصف کی خیر تم چاہو

تمام ہند سے لی میں نے داد اے شاطر
بجا ہے مجھ کو اگر شاعری کا دعویٰ ہو

قصیدہ جو بتقریب جشن پنجاہ سالہ جوبلی شمس الاخبار پڑھا گیا

گرم مہر شمس کیوں ہے گبر! تجھ کو کیا ہوا
حسن ظاہر کی نمائش نے تجھے دھوکا دیا

شعلۂ حسن ازل کا وہ بھی اک پروانہ ہے
عشق کی آتش نے سورج کو بھی بخشی ہے ضیا

نور خور سے جس طرح ذروں کو حاصل ہے نمود
وہ بھی مظہر ہے زمین و آسماں کے نور کا

قلب اشراقیں ہو یا روئے حسینان جہاں
کرتے ہیں سب مہر وحدت ہی سے کسب انجلا

چشم بینا ہو تو ہر ذرہ میں دیکھے آفتاب
دل جو دانا ہو تو افلاطوں ہے ہر مردم گیا

کور باطن گبر! مظہر سب ہیں ظاہر اور ہے
نور مطلق ہو عیاں گر دیدۂ باطن ہوا

دل سے حب الآفلیں کو دور کر دے اے مجوس
ملت بیضائے ابراہیم کی کر اقتدا

گرم فقرے میرے سنکر جلگیا آتش پرست
اور تاویلات بارد اس طرح کرنے لگا

سنئے حضرت ہے وہی تو منبع گرمی و نور
منحصر خورشید پر ہے سارے عالم کی بقا

کہربائی اور مقناطیس کی قوت کا بھی
مخزن و مرکز اسی کی ذات ہے شک اس میں کیا

ذات سے قائم اسیکی تو ہے یہ شمسی نظام
پس اگر قیوم کہئے اس کو بیشک ہے بجا

دیر مینا میں وہی تو ہے بت آتش عذار
طوف میں جس کے ہیں سیارے تمام از ابتدا

ذات اس کی ہے مبرا عیب اور نقصان سے
حسن میں اس کے زوال آنے نہ پایا مطلقا

ذات اس کی ہے قدیم اور حسن اس کا لازوال
اور موالید ثلاثہ کا وہ ہے حاجت روا

ظلمت شام عدم میں رہتے پنہاں سب کے سب
صبح ہستی کا بغیر اس کے کسے ملتا پتا

رب اشیا بھی وہی ہے اور مظہر بھی وہی
پس پرستش اس کی اے شاطر نہیں ہے ناروا

سفسطہ آمیز بیہودہ دلایل گبر کے
سنکے شاطر نے یہ برجستہ جواب ان کا دیا

گبرِ ناداں! کس قدر محدود ہے تیری نظر
کی نہیں اللہ نے عقلِ دوربیں تجھ کو عطا

علم میں تیرے فقط ہے ایک ہی شمسی نظام
سیکڑوں ایسے عوالم کو نہیں تو جانتا

کھولکر چشمِ بصیرت دیکھ اے غافل ذرا
قدرتی اشیا کا نا محدود ہے اک سلسلہ

ہے فضا بھی بے نہایت اور اشیا بیحساب
فہم سے بالا ہے جن کی ابتدا و انتہا

اپنے اپنے محوروں پر گھومتے ہیں آفتاب
طوف میں جن کے ہے سیارونکا رہتا قافلہ

ثابتہ کوئی بڑا ہے اور چھوٹا ہے کوئی
ہے عدد بھی مختلف ہر ایک کے سیاروں کا

ہے کوئی نزدیک کوئی دور کوئی دور تر
جن کے قرب و بعد کی ہے جذبِ ثقلی پر بنا

اک سریع السیر ہے تو اک بطی السیر ہے
سرعتِ رفتار میں بھی ہے روش سبکی جدا

ثقل نوعی میں بھی ہے باہم تفاوت درمیاں
ایک کا ہے جسم ٹھوس اور ایک کا ہے پھسپھسا

وزن میں مقدار میں نوعیت اور رفتار میں
ہیں الگ سب ایک سے ملتا نہیں ہے دوسرا

جتنے سیارے ہیں ان کے واسطے ہیں چاند بھی
تا غروبِ شمس کے بعد ان کو پہونچائیں ضیا

ہیں کسیکے چاند زائد اور کسی کا ایک ہی
جیسے اس سیارے کی حالات کا ہے مقتضا

حرکتِ دوری کے باعث مختلف ہیں سال و ماہ
دن کسی سیارہ کا چھوٹا کسی کا ہے بڑا

سب کے سب گردش میں ہیں اللہ رے قدرت کا نظام
ایک سے ٹکر نہیں کھاتا ہے ہرگز دوسرا

دوربیں نے دور تک کی گو نگہ کی رہبری
اُس سے آگے دوربیں کی بھی نگہ ہے نارسا

ہیں ثوابت بعض اتنی دور جن کی روشنی
ہم تک آئی ہی نہیں تا ایں زماں از ابتدا

کوکبِ دمدار بھی اُن کے سوا ہیں بیشمار
نوع جن کی ہے الگ جن کا طریقہ ہے جدا

کام سب کے مختلف ہیں اور مقصد متحد
اس کی اُس پر منحصر ہے اس کی اس پر ہے بقا

اک سرِ مو بھی تجاوز اپنی حد سے گر کریں
عالمِ اسباب کا برہم ہو سارا سلسلہ

ایک ارادہ کے نظر آتے ہیں تابع سب کے سب
ایک ہی زنجیر نے جکڑے ہیں سب کے دست و پا

عالمِ امکاں ہے یا کٹ پتلیوں کا ناچ ہے
ہاتھ میں ہے جسکے ڈورا ابھی نہیں اُس کا پتا

یا پرے ہے ذات اُس کی سرحدِ ادراک سے
یاں ہمیں کچھ کچھ نظر آتے ہیں جسکے نقشِ پا

یا وہی ظاہر وہی باطن ہے پر خفاشِ عقل
دیکھ ہی سکتا نہیں ہے مہرِ تاباں کی ضیا

کون کہتا ہے کہ ہے بے عیب روئے آفتاب
دوربیں سے اس کے داغوں کا ملا اسکو پتا

تیرے دل کا سا ہے جرمِ شمس بھی تاریک و تار
گیاس جو اطراف جلتے ہیں یہ ان کی ہے ضیا

گرمئ خورشید میں بھی آتی جاتی ہے کمی
ذاتِ حادث کی صفت کو کب دوامی ہو بقا

میں نے یہ مانا کہ سیارے ہیں اُس کے طوف میں
روز و شب خود وہ کسی کے گرد کیوں ہے گھومتا

ہاں زمانہ اُس کے فیضِ عام سے ہے مستفید
نفع پاتا ہے بقدرِ ظرف ہر چھوٹا بڑا

فیض بخشی کی صفت کب ہے اُسی پر منحصر
اپنے اپنے وقت پر نافع ہیں خاک و کیمیا

سارے موجودات ہیں محتاج اور محتاج الیہ
عالمِ اسباب کی اس کلیہ پر ہے بنا

قدرتی اشیا ہیں باہم متفق اور متحد
ایک سے وابستہ لاکھوں طرح سے ہے دوسرا

ایک کا ہے اک مؤید ایک کا ہے اک معین
کوئی ذرہ بھی نہیں بیکار یاں پیدا ہوا

ہے نظامِ کلئ عالم میں ہر اک شے دخیل
اضطراری دخل ہے فطرۃ کا سبکی مقتضا

ہے موالیدِ ثلاثہ میں بھی باہم اتفاق
ایک کی ہے دوسرے پر منحصر نشو و نما

آکسیجن ہم کو دیتے ہیں نباتات اور ہم
کاربن دیتے ہیں اُن کو تا کہ ہو اُن کی غذا

جملہ عالم مظہرِ عشق اور وہ ذو فنون
ہیں نیاز و ناز ہر شے میں ہے اس میں شبہ کیا

کیا نہیں آب و ہوا درکار بہرِ زندگی
پھر فقط آتش کی پوجا کا سبب ہے گبر کیا

شمس سے تیرے فقط اشیا کو حاصل ہے نمود
کور کو بھی ورنہ ہے احساس موجودات کا

لائقِ سجدہ نہیں جز مہرِ تابانِ وجود
ذرّہ و خور کا ستارہ جس نے روشن کردیا

ہیں فضائے آسماں میں یوں تو لاکھوں آفتاب
خود زمیں پر بھی تو ہے اک شمسِ عالم آشنا

دن کو نکلا رات کو ڈوبا یہ شمس ایسا نہیں
ہو گئے پنجاہ سال اور ہے ابھی یہ رونما

قالبِ مردہ میں اس نے قوم کے پھونکی ہے روح
تیرے سورج سے ہے جسمِ عنصری کی گر بقا

ہے دماغوں میں دلوں میں روشنی اس شمس کی
شمس سے تیرے فقط حسِّ بصر ہے آشنا

عالمِ اسلام پر یہ ڈالتا ہے روشنی
واقعاتِ دہر میں اس کی بدولت رونما

نور کا اس کے ہے سدِّ راہ کب کوئی حجاب
جامِ جم مرأتِ غیب اس کو کہیں گر ہے بجا

روشنی اس کی سیاہی کے ہے بادل میں نہاں
تو کہے ظلمات میں ہے چشمۂ آبِ بقا

تیرے سورج سے مدد ملتی ہے نورِ چشم کو
ہوتی ہیں اس شمس سے آنکھیں خرد کی پر ضیا

چشمِ اربابِ نظر میں بس اسے ترجیح ہے
شان ہے اس شمس کی معبود سے تیرے سوا

ہو نصیر الدین کو اپنے شمس پہ کیونکر نہ فخر
ماہِ نخشب پر اگر ابنِ عطا کو ناز تھا

آج جشنِ جوبلی میں اس کے ہم سب ہیں شریک
ہے کوئی مدحت سرا اور کوئی دیتا ہے دعا

آج سے شاید ترا مسجود ہو اخبارِ شمس
یا نصیر الدین کو اے شمس تو مانے خدا

ہم سمجھتے ہیں کہ حادث ہم بھی ہیں اور وہ بھی ہے
اور تو بھی اور تیرا شمس بھی اور ماسوا

حضرتِ شاطر دلائل آپ کے معقول ہیں
توبہ کرتا ہوں میں اپنے دین سے باز آگیا

جوبلی شمس کا کیسا مبارک ہے اثر
آج مسلم ہو گیا اک گبرِ کافر ماجرا

تاریخ نکاح حسب الارشاد ذوات الانقیاد حضرت اقدس ظلہ العالی

درین ایام عشرت زا درین ہنگام روح افزا
بشوق سیر بستانی ہست ہر طفل دبستانی
بکاخ آسمان دف زہرہ دارد از مہ تابان
ہوا عنبر فشان بینی زمین مخمل نشان یابی
ز گردون جان نمی بارد چسان تخم از زمین روید
ترنم ریز شد بلبل تبسم خیز باشد گل
دمن شد چون چمن خندان چمن شد روضۂ رضوان
صنیا آگین چو پروین ہست روے لالہ و نسرین
ز رنگ لالہ شد روکش ختارا ستا گلشن
درین آوان کہ گردیدہ جہان رشک نگارستان
چو در عقد نکاح ابن سید محیٔ دین دادہ
بفکر سال فرخ فال بودم آسمان با من

کہ آثار مسرت تا بود از ہر کران پیدا
جوان ہست غزلخوانی خرامان پیر در صحرا
بشاخ ارغوان ہست ارغنون زن بلبل شیدا
مے احمر تو گوئی ریختہ در گنبد مینا
دم باد صبا دارد ہوا تا معجز عیسیٰ
تکلم آید از صلصل ببین نرگس بود بینا
درختان گلستان گشتہ رشک سدرہ و طوبیٰ
تو گوئی دامن گلچین پر است از لؤلؤ لالا
ز بوئے گل ہمہ رشک ختن شد عرصۂ صحرا
درین آوان کہ بر ہر کس شدہ باب مسرت وا
بحسب شرع و سنت دختر خود سید والا
مہنا شادی بنت حمید الدین شہ۔ گفتہ
۲۵ ۲ ۳ ۱ ۴

غزل مشاعرۂ حیدرآباد دکن

یہ بکھیڑا مٹے گا مشکل سے
تیری خاطر سے لائے ہیں اے عشق
کیا خبر اُس کو کیا ہے عہد الست

وہ خفا مجھ سے مین خفا دل سے
ورنہ کیا کام تھا ہمیں دل سے
کیون نہیں پوچھتی زبان دل سے

ٹوٹتا ہو تو لوٹ لے رہزن / کوئی جب تک ہو دور منزل سے

ہم کو پھر بے خودی نے چھوڑ دیا / پھر پڑا سابقہ اُسی دل سے

میری کشتی کا ماجرا اے موج / کہنے والا ہے کون ساحل سے

نہ گیا اُس کے دل میں نالہ نے گھر / کیا یہ نکلا نہ تھا مرے دل سے

یاس نے مطمئن کیا دل کو / لو شفا پائی تیغِ قاتل سے

خضر بھی غول بھی ہے اے منزل / ہم پتا پوچھتے ہیں جس دل سے

حسن حسن اور عشق عشق بنا / میری آنکھوں سے اور میرے دل سے

خاک آسانیاں ہوں جینے میں / دم نکلتا بھی ہے تو مشکل سے

گرمیٔ عشق سے ہے زندہ دلی / زیست ہے جیسے گرمیٔ دل سے

ناوک افگن نظر نہیں آتا / اور دل لوٹتے ہیں بسمل سے

سوئے دلدار لے چلی ہے اجل / آج شاطر جدا ہوے دل سے

مگس

کیوں کفِ افسوس ملتی دمبدم اے مگس / نعمت الوان دنیا پہ نہیں کیا دسترس

غم نہ کھا محرومیٔ عیشِ جہاں کا زینہار / ہے بظاہر تو یہ امرت اور بباطن زہر مار

لذتِ دنیا کا چسکا اس قدر اچھا نہیں / کچھ خبر تجھ کو مآلِ کار کی اصلا نہیں

بارہا چکھا مگر دیکھی نہیں ایذا کبھی / اس لئے تو ذائقہ پر دیتی ہے شکر کے جی

یاد رکھ لذت پسندی کی یہ لت اچھی نہیں / اور بھی چیزیں ہیں میٹھی ایک شکر ہی نہیں

شہد کا شاید کبھی چکھا نہیں تو نے مزا / ورنہ کیوں تو لذتِ دنیا پہ کرتی جی فدا

لذتِ دنیا میں دیکھ اچھا نہیں یہ انہماک
اے مگس ہونا پڑیگا ایک دن تجھکو ہلاک

نیش کچھ ایسے بھی ہیں یاں جو بشکلِ نوش ہیں
اے مگس ہموار راہوں میں چہ خس پوش ہیں

کھینچ لیجائیگا ذوقِ قند اکدن تا عسل
کیا ہوا گر بچگئی تو آج پھنس جائیگی کل

شہدِ خالص آبِ حیواں بھی اگر ہو فی المثل
ڈوبنے والے کے حق میں ہے وہ تلخابِ اجل

لطف کے کشتہ کو کچھ حاجت نہیں ہے قہر کی
گڑ سے جو مر جائے اُس کو کیا ضرورت زہر کی

ہو گئی اے بوالہوس آخر اسیرِ دامِ حرص
اب کفِ افسوس مل دیکھ اے مگس انجامِ حرص

جانِ شیریں کے عوض تجھ کو ملا ہے شہد آہ!
خوب اب جی بھر کے پی لینا نہیں ہرگز گناہ

لے ٹھکانے لگ گئی ہاں آگئی اب جی کو کل
اے مگس اب تلک دمِ آخر ہے تو اور ہے عسل

رشتۂ طولِ امل خود بن گیا زنجیرِ پا
لذتِ عیشِ جہاں کی بس یہی ہے انتہا

اب کفِ افسوس ملنا اور رگڑنا ایڑیاں
بعدِ قطعِ رشتۂ جاں یہ کٹینگی بیڑیاں

دیدنی ہے ہمتِ پروانۂ آذر پرست
کر گئی طے عرصۂ ہستی کو جس کی ایک جست

واہ اس ننھی سی جاں میں کتنی ہے تاب و تواں
طورِ شعلہ پر چڑھا پروانۂ آتش بجاں

جلکے سوزِ عشق سے دم بھر میں ٹھنڈا ہو گیا
اس کی خاکستر ہے یا گلزار ابراہیم کا

قومی ترانہ

میدانِ کربلا میں تھا امتحاں ہمارا
مردانگی میں کوئی ثانی کہاں ہمارا

خشکی میں بھی چلائے ہم نے جہاز اپنے
پہلو میں بہ رہا تھا بحرِ رواں ہمارا

فارس کی آگ میں ہو باغِ خلیل پیدا
اللہ رے ابرِ تیغِ معجز نشاں ہمارا

دل میں مسیحوں کے ڈالی تھی جان ہم نے
خضرِ زلالِ حیواں تھا کارواں ہمارا

ابرِ حسام سے ہم تھے برق ریز پیہم
نیسانِ خامہ بھی تھا گوہر فشاں ہمارا

ساری زمینِ مغرب مشرق بنی ہوی ہے
ہر ذرہ سے ہے اب تک سورج عیاں ہمارا

فاتح نپولین سا کرتا تھا رشک ہم پر
گبنؔ سا بھی مورّخ ہے مدح خواں ہمارا

پھٹتا تھا تیرا سینہ دل میں تھا تیرے لرزہ
جب اے زمین جبل تھا آتش فشاں ہمارا

جاگے دلوں کے مردے سن کر ہمارے نعرے
صورِ نشور تھا یا شور اذاں ہمارا

قرآن کا ایک شوشہ اب تک نہ مٹنے پایا
ہم کیا مٹینگے ہے وہ تعویذِ جاں ہمارا

صدق و صفا بیاں ہیں سوز و اثر فغاں ہیں
اے شمع کوئی کیونکر ہو ہم زباں ہمارا

اس پر بھی ہم ہیں راضی اے مادّہ پرستو
سارا جہاں تمھارا اور جانِ جاں ہمارا

سلطانِ ہند کا ہے دار الخلافت اجمیر
پھر کیوں نہ ہم کہینگے ہندوستاں ہمارا

بغداد کی خلافت جاتی رہی تو کیا غم
دربار کر رہا ہے محبوبِ جاں ہمارا

ہم ایسے صلح جو تھے درگذرے اپنے حق سے
خُلقِ حَسن تھا حُسنِ امن و اماں ہمارا

ہجرت کی شب اجل کے بستر پہ سو گئے ہم
تھا نفسِ مطمئنہ روحِ رواں ہمارا

چھوڑا نہ ساتھ اپنے آقا کا غار میں بھی
عیسیٰ سے کوئی پوچھے صدقِ نہاں ہمارا

مستوں نے اس کے سارے عالم کو کر دیا پست
تھا آفتاب تاباں ساقئ جاں ہمارا

تلوار پر تھا قبضہ حق پر تھا اپنا تکیہ
شاطرؔ فقط جہاں کیا تھا لامکاں ہمارا

علم

علم سے سارے نقوشِ غیب نے پائی نمود
علم ہے کلکِ شعاعِ مہرِ تابانِ وجود

ساغرِ عالم بنائے ساقئ وحدت نے علم
پرتوِ مرآتِ معنی معنئ صورت ہے علم

علم مفتاحِ طلسمِ گنجِ مخفیٔ حکیم
مظہرِ اول ہے علم اور محرمِ سرِّ قدیم

مصحفِ رخسارۂ خوبی کی ہے تفسیر علم
خوابِ نازِ شاہدِ معنی کی ہے تعبیر علم

قلبِ مجنوں ہے جنونِ مغزِ فلاطوں ملبلا
بحرِ ہستی میں ہے عشق و عقل کا طوفاں بپا

ربطِ عشق و عقل ہے یا اتحادِ مغز و پوست
اس کو ذکرِ دوست کہئے اور اس کو فکرِ دوست

علم میں ہے عشق مخفی عشق میں دانش نہاں
نورِ واحد کے ہیں مظہر دیدہ و دل بے گماں

علم سے ہے عالمِ کثرت کا سارا انتظام
اس کے قبضے میں ہے اس وادی کے ناقوں کی زمام

علم بیماروں کے حق میں تودۂ خاکِ شفا
فانیوں کے واسطے سرچشمۂ آبِ بقا

علم نے کم کر دیا طولِ زماں بعدِ مکاں
کیا عجب مٹ جائے گر فرقِ زمین و آسماں

قلبِ خاکی میں اسی نے نورِ عرفاں بھر دیا
علم نے انساں کو مسجودِ ملائک کر دیا

علتِ حسنِ خصال و باعثِ عزت ہے علم
زینتِ مال و منال و مورثِ راحت ہے علم

شاہدِ قدرت کی شاطرِ رونمائی علم ہے
مختصر یہ ہے کہ شانِ کبریائی علم ہے

غزل عشقیہ

شہیدِ عشق کا گر حشر ہو تو ایسا ہو
وہ مستِ دید ہو اور غیرِ محوِ غوغا ہو

درِ قبول جو ہوتا ہے بند اچھا ہو
نہ ہو جو دل ہی تو پھر دل میں کیا تمنا ہو

نشانِ سجدہ نہیں داغِ عشق اے زاہد
نہیں وہ رازِ محبت نہیں جو افشا ہو

جگہ نہ دل میں ملی تم کو کاتبِ اعمال
کہ مغفرت کے لئے کچھ نہ کچھ بہانا ہو

کیا تبہ دلِ موسے خصال نے آخر
ہم اس کے کوئی نہیں سچ ہے جو تمھارا ہو

خدا کو مان تو اے دل خدا تراشی چھوڑ
نہیں نہیں وہ خدا جو سمجھ میں آتا ہو

ہے ریڈیم دلِ دوزخ نہاد اے اسپند
یہ وہ نہیں ہے جو دم بھر میں جل کے ٹھنڈا ہو

ہر ایک ذرہ میں دل۔ دلمیں درد ہے پنہاں
وگرنہ یہ حرکت یہ تڑپ نہ پیدا ہو

کہاں سے لائے تیرا مقدر اے سہراب
اِدھر میں تڑپوں تو قاتل اُدھر تڑپتا ہو

جلا کے خشک و تر دل کو کر بھسم اے برق
رہے نہ پھول ہی کوئی نہ کوئی کانٹا ہو

وہ سامنے ہی تو تھا وقتِ غرق اے فرعون
مگر نظر تری کیونکر نگاہِ موسےٰ ہو

دیئے ہیں گرچہ سرابوں نے دھوکے اے پیاسے
مگر نہ منکرِ ہستیٔ موج و دریا ہو

جہاد کر کے وہ آبِ بقائے تیغ پیے
جو مثلِ خضر حیاتِ ابد پہ مرتا ہو

دمِ اخیر ہے دو اشک ہی سہی اے چشم
وہ اور کیا کرے جس کی زباں نہ گویا ہو

نہیں ہیں شہرِ خموشانِ عشق میں شب و روز
گزر ہو یاس کا دل میں اگر تمنّا ہو

دمِ نزول نہ رونے پر اس کے ہنس اے گل
جو رہنِ کشمکشِ جذبِ مہر و غبرا ہو

سنا دو آج یہ ملّا کو نکتہ اے شاطر
جو ظلم و جہل ہو حاصل کمال پیدا ہو

تمّت

محمد عبد الحمید خلفِ اکبر حضرت شمس العلماء لسان الحکمت مولانا محمد عبد الرحمن صاحب شاطر مد ظلہ

نے

شاہی الکٹرک پریس مدراس میں طبع کرواکے شایع کیا

محرم الحرام ۱۳۵۷ھ

بار اول

قیمت ایک روپیہ

غلط نامہ

صفحہ	سطر	مصرع	غلط	صحیح
۲	۱۲	۲	پائدار	پایدار
۴	۱۲	۱	بات	بات
۶	۱۸	۲	ہنکیں	ہکیں
۷	۷	۲	مئی	می
۸	۹	۲	پائیدار	پایدار
۹	۴	۱	بنتیں	بنتیں
۹	۱۴	۱	انسان	انساں
۱۰	۴	۱	کی	کو
؍	۸	۲	ہم سر	ہمسر
۱۱	۱۹	۲	عورت	جیوہ
۱۲	۶	۲	لیے	لے
۱۴	۱۰	۱	حیران	حیراں
۱۵	۴	۲	حسرت	حسرت
؍	۸	۱	سامان	ساماں
۲۱	۱۰	۱	یارب یا	یا آئی
۲۲	۴	۲	کی سنگار	کا سنگار
۲۴	۴	۲	کارزار	کارزار
۲۷	۱۶	۱	شاہ گدا	شاہ دگدا
۳۱	۱	۲	شہ سہوار	شہ سوار
۳۴	۱	۱	تیرا	ترا
۳۸	۲	۱	انسان	انساں
۴۱	۳	۲	انسان	انساں
؍	۴	۲	ظاہربین	ظاہربیں
۴۲	۱۷	۱	ایمان	ایماں
۴۳	۱۴	۱	ربِ اعلیٰ	ربِ اعلیٰ
؍	۱۶	۱	اوسے	اُنسے
۴۷	۶	۱	عنا	عِنا
۴۹	۱۱	۲	شہریار	شہریار
۵۲	۱	۲	پرُبہار	پربہار
۵۵	۱	۲	صرفِ وحدت	صرف وحدت
؍	۳	۲	زینہار	زینہار
؍	۱۵	۲	پائیدار	پایدار
۵۹	۱۱	۱	کاتبین	کاتبیں
۶۶	۹	۲	قرآن	قرآں
۷۲	۱۰	۱	ادائے ناز	ادائے خاص
۷۷	۱۱	۱	اعیان ستند	اعیانستند
۷۸	۲	۲	تجزون	تجزون
؍	۶	۲	فعلتہ	فعلتہ

صفحہ	سطر	مصرع	غلط	صحیح
۸۳	۳	۲	تکرار	تکرار
۸۴	۹	۱	خوددارنی	خودداری
۸۵	۹	۲	جسم وجان	جسم و جاں
۸۷	۱۱	۲	عمامہ	عمامہ
۸۸	۱۳	۲	دلوں کو تیرا	دلوں کو اس کا
۹۸	۷	۲	معرز بہویہ	معرز بہودہ
۹۹	۳	۲	انسان جیتے	انساں جیتے
۱۰۲	۶	۱	صاحب انجاز	صاحب اعجاز
؍	؍	۲	تخیل	تخییل
۱۰۹	۶	۲	احسان	احساں
؍	۱۱	۱	قریبی	قریبی
۱۱۰	۵	۲	اللہ کی شان	اللہ کی شاں
۱۱۱	۸	۲	عثمان رضؓ	عثماں رضؓ
۱۱۲	۷	۲	تعیّن	تعیئں
۱۱۳	۵	۱	جان	جاں
؍	؍	۲	انسان	انساں
؍	۶	۲	نسیان	نسیاں
۱۱۴	۳	۲	عبدالرحمن	عبدالرحمں
۱۱۵	۱۲	۱	شیطان سے	شیطاں سے
؍	؍	؍	جو تھا بری	تھا جو بری
۱۱۷	۱	۲	رہتے ہیں بڑے	رہتے ہیں بڑے
؍	۱۲	۲	جانِ رسالت	جانِ رسالت
۱۲۳	۳	۱	نرکھا	نہ رکھا
؍	۱۶	۲	نکرے	نہ کرے
۱۲۴	۴	۱	نکرنا	نہ کرنا
۱۲۷	۱	۱	مجھول	مجبول
؍	۱۱	۲	اوتنا ہی بڑا	اُتنا ہی بڑا
؍	۱۹	۱	غور کیجیئے	غور کیجے
۱۳۰	۱۱	۲	ذرہ ذرہ ہی	ذرہ ذرہ ہے
۱۳۱	۲	۲	فانیوں کو کبھی	فانیوں کو بھی کبھی
۱۳۲	۷	۲	وجد میں جھومتے	کیفیت میں جھومتے
۱۳۳	۱۵	۲	بر وجہ حُسن	بر وجہ حُسن
۱۳۴	۲	۲	غنچۂ کشا	غنچہ کشا
۱۳۸	۱	۲	موجوات کا	موجودات کا
۱۴۰	۷	۲	میرے دل سے	مرے دل سے